۴۴۔ القصص، حاشیہ نمبر۹۳

۴۵۔ النجم، حاشیہ نمبر۳۰

۴۶۔ البقرہ، حاشیہ نمبر۲۳۱

۴۷۔ البقرہ، حاشیہ نمبر۲۹۶

۴۸۔ التوبہ، حاشیہ نمبر۱۸

۴۹۔ تفسیر زیر آیت، تدبر قرآن، جلد۲، ص۵۹۵

۵۰۔ النحل، حاشیہ نمبر۷۸

۵۱۔ سہ ماہی التفسیر، کراچی (اپریل تا جون ۲۰۰۵ء)

التفسیر: مجلس تفسیر، کراچی جلد:۶، شمارہ:۲۰، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۲ء

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ہدایات کی روشنی میں لکھی گئی تفسیر

''احکام القرآن'' ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزئی، ایسوسی ایٹ پروفیسر
صدر شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ

Abstract:

An analytical study of Tafseer Ahkam-ul-Quran.

In the last years of his life, Mulana Ashraf Ali Thanwi seriously felt the need that a comprehensive book related to Ahkam-ul-Quran should be written which could meet the need of hour and fulfill the requirement of modern age. The arguments of such book should be based on reference, especially from the works of Hanfi Jurists. In the start, Mulana Ashraf Ali Thanwi himself was willing to compile such kind of book. But due to his extra ordinary engagement, illness and weakness, he handed over this project to the team of four Ulama comprising on Mulana Zafer Ahmed Usmani, Mufti Muhammad Shafi , Mulana Mohammad Idrees kandhlvi and Mufti Jamil Ahmed Thanwi,. Later on Mulana Abdul Shakoor Tirmizi also joined the team of Ulama. In the very bigining, the name of the book was proposed Dalail-ul-Quran Ala Masail-ul-Numan Later on, its name was suggested as Ahkam-ul-Quran.

Almost in sixty five years, this project was complied and a Tafseer named Ahkam-ul-Quran came into existence. This Tafseer initially published in the form of different parts, some parts published separately earlier, while other parts also published later on. In the recent past, the remaining parts also published. In this way, a Fiqhi Tafseer named Ahkam-ul-Quran was completed and published. Opinions of Hanafi jurists which were scattered in various books regarding different problems were gathered and reproduced in this Tafseer. This Tafseer Ahkam-ul-Quran is no doubt a precious effort. This work is widely appreciated by the circles of the Ulama and knowledge wise, it is value able.

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان کلام ہے اور گونا گوں علوم و حکم اور اسرار و حقائق سے بھرا ہوا ہے، یہ کتاب صرف امثال وقصص کی کتاب نہیں ہے، بلکہ انفرادی و اجتماعی زندگی کا ایک مکمل دستور العمل بھی ہے۔ اسی طرح یہ کتاب اصول و کلیات کی جامع ہے اور اس کے جزئیات کی تفصیل و تعیین رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل میں ملتی ہے۔ قرآن حکیم کے یہی اصول و کلیات شریعت کی زبان میں احکام کہلاتے ہیں، انہیں احکام سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے علماء کرام نے ایک خاص علم ایجاد کیا، جو فقہ القرآن یا احکام القرآن کے نام سے موسوم ہے اور یہ وہ علم ہے جس میں قرآن حکیم کی آیات سے فقہی اور قانونی احکام اور مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے۔ گویا علم تفسیر کی اس خاص نوع میں ان آیات پر بحث کی جاتی ہے جن میں احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اس لئے یہ علم سب سے اہم قرار پاتا ہے، کیونکہ اس کتاب ہدایت کے نزول کا بنیادی مقصد احکام الٰہی کی پابندی ہے، چنانچہ قرآنی احکام اصل ہیں اور دیگر علوم و فنون انہیں احکام کا علم حاصل کرنے کے ذرائع اور اسباب ہیں۔

امام غزالیؒ کا بیان ہے کہ قرآن مجید میں احکام کی آیات پانچ سو (۵۰۰) ہیں اور بعض علماء نے صرف ایک سو پچاس (۱۵۰) آیات ہی بیان کی ہیں، کہا گیا ہے کہ شاید ان لوگوں کی مراد انہی آیتوں سے ہے جن میں احکام کی تصریح کر دی گئی ہیں، کیونکہ قصص و امثال وغیرہ کی آیتوں سے بھی تو اکثر احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ (۱)

پہلی صدی ہجری کے اواخر ہی سے اہل علم کی ایک بہت بڑی تعداد نے قرآن مجید کے فقہی احکام پر اس نقطہ نظر سے خاص طور پر غور و خوض شروع کر دیا تھا کہ کس آیت سے کتنے احکام نکلتے ہیں اور قرآن مجید کے کون کون سے الفاظ میں کون سا اسلوب

ایسا استعمال ہوا ہے جس سے کوئی نیا حکم معلوم ہوتا ہے، یہ اتنا بڑا اور اتنا غیر معمولی کام تھا جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی، امام اعظم ابو حنیفہؒ کے بارہ میں ان کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی آیات سے براہ راست جتنے احکام مستنبط کیے ہیں، ان کی تعداد چھیاسی ہزار سے زائد ہے اور ان کے مرتب کردہ احکام کی روشنی میں ان کے تلامذہ اور متبعین نے جو مزید تفریعات (فروعی احکام اور جزوی تفصیلات) مرتب کی ہیں، ان سب کو اگر جمع کیا جائے تو ان کی تعداد دس لاکھ تک ہے، گویا انہوں نے قرآن مجید کی چند سو آیات احکام سے دس لاکھ چھیاسی ہزار احکام کا استنباط کیا۔ (۲)

غرض فقہی تفسیر کے موضوع پر مفسرین نے خاص توجہ دی اور اس فن میں بے شمار کتب تحریر کیں، اس فن پر باقاعدہ تصنیف و تالیف کا آغاز غالباً دوسری صدی کے وسط میں ہوا اور اب تک اس موضوع پر کم و بیش ایک سو دس تالیفات کا ذکر ملتا ہے، جن میں سے بعض چھپ چکی ہیں، بعض کے قلمی نسخے مختلف مقامات پر محفوظ ہیں اور بعض زمانے کی دست برد میں کہیں کھو گئی ہیں اور ہم تک صرف ان کا نام ہی پہنچ سکا ہے، شاید ''احکام القرآن'' کے عنوان سے سب سے پرانی تالیف وہ ہے جو محمد بن سائب کلبیؒ (م ۱۴۶ھ) کی طرف منسوب ہے، کہا جاتا ہے انہوں نے آیات احکام کی تفسیر کے متعلق روایات حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہیں (۳) اس کے بعد اس موضوع پر تالیفات کا ایک طویل سلسلہ ہے، جس میں امام مقاتل بن بشیر الخراسانی (م ۱۵۰ھ) کی تفسیر کے علاوہ امام محمد بن ادریس شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کی احکام القرآن، امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص الحنفیؒ (م ۳۷۰ھ) کی احکام القرآن، ابوالحسن علی بن محمد الکیا ہراسیؒ الشافعی (م ۵۰۴ھ) کی احکام القرآن، محمد بن عبداللہ المعروف با بن العربیؒ (م ۵۴۳ھ) کی احکام القرآن، ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ (م ۶۷۱ھ) کی الجامع لاحکام القرآن، علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) کی الاکلیل فی استنباط التنزیل مقداد بن عبداللہ السیوریؒ (م ۸۲۶ھ) کی کنز العرفان فی فقہ القرآن، محمد علی السایس کی تفسیر آیات الاحکام، محمد علی الصابونیؒ کی روائع البیان فی تفسیر آیات الاحکام من القرآن اور دیگر بڑے بڑے ائمہ کی تحریر کردہ تفاسیر شامل ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں بھی اس موضوع پر کسی نہ کسی انداز میں کام ہوا ہے، اس سلسلے میں شیخ احمد بن ابو سعید المعروف ملا جیون (م ۱۱۳۰ھ) کی تفسیرات احمدیہ، نواب صدیق حسن خان کی تفسیر نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (م ۱۲۲۵ھ) نے تفسیر مظہری، مفتی محمد شفیعؒ (م ۱۳۹۶ھ) نے معارف القرآن، علامہ عبدالدائم جلالی رام پوریؒ نے بیان السبحان اور مولانا مفتی محمودؒ (م ۱۹۸۰ء) نے تفسیر محمود میں بھی قرآن حکیم کی بہت سی آیتوں سے فقہی احکام کا استنباط کیا ہے۔

احکام القرآن کے موضوع پر ایک اور نمایاں تفسیر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی رہنمائی میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ (م ۱۳۹۴ھ)، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (م ۱۳۹۵ھ)، مفتی محمد شفیعؒ (م ۱۳۹۶ھ)، مفتی جمیل احمد تھانویؒ (م ۱۴۲۵ھ) مفتی عبدالشکور ترمذیؒ (م ۱۴۲۱ھ) کی تحریر کردہ ''احکام القرآن'' ہے، ذیل میں اس تفسیر کا ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔

تاریخی پس منظر:۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ بمقام تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ہندوستان، ۱۹ مارچ ۱۸۶۳ء کو پیدا ہوئے اور ۹ جولائی ۱۹۴۳ء کو انتقال کر گئے، مزار مبارک تھانہ بھون میں ہے، انہوں نے تعلیم تھانہ بھون اور دیوبند میں حاصل کی۔ وہ ایک ممتاز

فاضل، عالم دین اور صوفی تھے اور انہوں نے نہایت ہی مصروف زندگی گزاری۔ ان کے اشغال تعلیم و تدریس، وعظ، خطابت اور تصنیف و تالیف تھے۔ آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے۔ یہ کتابیں زیادہ تر تفسیر، حدیث، منطق، کلام اور تصوف میں ہیں۔ آپ کی اہم تصانیف میں تفسیر بیان القرآن اور بہشتی زیور شامل ہیں۔ (۴)

مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ نے اپنی آخری عمر میں اس ضرورت کا احساس فرمایا کہ قرآن کریم تو ایک بحر ناپید کنار ہے، اس کی تفسیر میں ہر زمانہ کے علماء نے اپنے ماحول اور ضرورت کے مطابق جن مسائل کی اہمیت محسوس کی ہے، انہیں پر زیادہ زور دیا ہے۔ اس زمانہ کی جدید ضروریات اور ماحول کے جدید تقاضوں کے پیش نظر ضرورت تھی کہ احکام قرآنی پر کوئی مفصل مدلل کتاب لکھی جائے اور خاص کر ایسی کتاب جو فقہاء احناف کے دلائل سے مدلل ہو۔ حکیم الامت شروع میں یہ کتاب خود لکھنا چاہتے تھے، لیکن عمر کے آخری حصے میں مصروفیات کی کثرت، بیماری اور ضعف کی وجہ سے آپ نے یہ کام چار علماء کرام مولانا ظفر احمد عثمانی"، مفتی محمد شفیع، محمد ادریس کاندھلوی" اور مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے سپرد کیا۔ شروع میں اس کا نام دلائل القرآن علی مسائل النعمان رکھا گیا، لیکن بعد میں اس کا نام احکام القرآن تجویز ہوا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی اس تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "مولانا اشرف علی تھانوی" جو برصغیر کے مشہور مفسر قرآن بھی ہے، انہیں یہ خیال ہوا کہ حنفی نقطہ نظر سے قرآن مجید کی کوئی جامع فقہی تفسیر نہیں ہے۔ ایسی فقہی تفسیر جس میں قرآن مجید کی شروع سے آخر تک مسلسل تفسیر بھی کی گئی ہو اور فقہاء احناف کے دلائل بھی اس میں تفصیل سے جمع کردیئے گئے ہوں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے تلامذہ کی جو اپنی اپنی جگہ جید عالم تھے، ایک ٹیم تیار کی اور قرآن مجید کے مختلف حصے ان کے ذمے لگائے کہ وہ اس کام کو کریں۔ اس ٹیم میں مولانا ظفر احمد عثمانی"، مولانا مفتی محمد شفیع"، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا مفتی جمیل احمدؒ جیسے جید اہل علم شامل تھے۔ تقریباً ۶۰۔۶۵ سال کے عرصے میں یہ کتاب مکمل ہوگئی، لیکن اس کے مختلف اجزاء الگ الگ شائع ہوئے۔ کچھ بعد میں کچھ پہلے۔ ماضی قریب میں اس کے آخری اجزاء بھی مکمل ہوگئے ہیں۔ اس میں پورے قرآن مجید کی فقہی تفسیر کو مکمل کیا گیا ہے اور اس کا نام بھی احکام القرآن ہے۔ فقہاء احناف کا نقطہ نظر جو پہلے بہت سی کتابوں میں بکھرا ہوا اور منتشر تھا، اب بڑی حد تک ایک جگہ سامنے آجاتا ہے، علمی اعتبار سے یہ ایک قابل قدر کام ہے"۔ (۵)

تفسیر احکام القرآن کے تکمیل کے مراحل:

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے منازل سبعہ کی ترتیب کے مطابق مذکورہ اصحاب کے ذمہ کتاب کی تالیف کا کام اس طرح تقسیم کیا۔

۱۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ذمہ حزب اول و ثانی یعنی سورۃ الفاتحہ سے سورۃ التوبہ کے آخر تک۔

۲۔ مفتی جمیل احمد تھانوی" کو حزب ثالث اور رابع یعنی سورۃ یونس سے سورۃ الفرقان کے آخر تک سپرد ہوا۔

۳۔ مفتی محمد شفیع" کو حزب خامس اور سادس یعنی سورۃ الشعراء سے سورۃ الحجرات کے آخر تک سپرد ہوا۔

۴۔ علامہ محمد ادریس کاندھلوی، آپ کو حزب سابع یعنی سورۃ ق سے آخر قرآن کریم تک کا حصہ تفویض ہوا۔

ان حضرات نے علامہ تھانوی" کی نگرانی میں کام شروع کیا، حضرت تھانویؒ اپنی وفات تک اس کام کی نگرانی اور تفسیر لکھنے میں ان حضرات کی رہنمائی کرتے رہے۔

۱۔ احکام القرآن للعثمانی:۔ علامہ ظفر احمد بن شیخ لطیف احمد عثمانی تھانوی ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں دیوبند کے مشہور اساتذہ مثلاً حافظ غلام رسول اور مولانا نذیر احمد سے قرآن پڑھنا شروع کیا۔ آٹھ سال کی عمر میں مولانا محمد یسین سے اردو اور فارسی کی کتابوں کے علاوہ حساب اور ریاضی کی کتابیں پڑھنی شروع کی۔ بارہ سال کی عمر میں آپ دیوبند سے تھانہ بھون ماموں حکیم الامت کے پاس منتقل ہوئے اور یہاں پر مختلف علماء سے صرف و نحو، ادب، تجوید، مثنوی وغیرہ پڑھنا شروع کیا۔ اس کے بعد آپ کانپور مدرسہ جامع العلوم چلے گئے اور یہاں پر آپ نے مولانا محمد اسحاق البردوانی اور مولانا محمد رشید کانپوری سے حدیث، فقہ، تفسیر وغیرہ کا علم حاصل کیا۔

یہاں سے شرعی اور عقلی علوم میں سند حاصل کرنے کے بعد آپ مظاہر العلوم سہارنپور چلے گئے اور وہاں مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی درس حدیث میں شریک ہونے لگے۔ یہاں ۱۸ سال کی عمر میں ۱۳۲۸ھ میں اعلیٰ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد سات سال تک درس دیتے رہے۔ اس کے بعد آپ امداد العلوم تھانہ بھون منتقل ہوئے اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اس دوران آپ رنگون (برما) بھی تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ محمدیہ میں درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ پاکستان بننے سے قبل آپ ڈھاکہ یونیورسٹی (مشرقی پاکستان) تشریف لے گئے اور اس کے مدرسے میں حدیث و فقہ کا درس دیتے رہے، ڈھاکہ میں آپ نے آٹھ سال گزارے اور یہاں پر ایک مدرسے الجامعة القرآنية العربية کی بنیاد بھی ڈالی۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء آپ حیدرآباد کے قریب ٹنڈو اللہ یار کے دار العلوم الاسلامیہ منتقل ہوئے اور یہاں پر حدیث کی درس اور فتویٰ دینے کی خدمت سے وابستہ رہے۔ اسی مقام پر آپ نے ۱۳۹۴ھ بمطابق ۱۹۷۴ء میں وفات پائی۔ تفسیر کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف درج ذیل ہیں۔

۱) اعلاء السنن (۲۰ جلد)

۲) القول المتين في الاخفاء بآمين

۳) شق الغين عن حق رفع اليدين

۴) فاتحة الكلام في القرأة خلف الامام

۵) رحمة القدوس في ترجمة بهجة النفوس

۶) كشف الدجى عن وجه الربا

۷) فاتحة الكلام في القرأة خلف الامام (۶)

احکام القرآن کے سلسلے میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ذمہ قرآن کے حزب اول و حزب ثانی کا کام سپرد ہوا۔ حزب اول

یعنی سورۃ الفاتحہ سے سورۃ النساء کے آخر تک کی تالیف آپ نے ۱۳۵۴ھ میں شروع کی اور ۳۳ سالوں میں یعنی ۱۳۸۷ھ میں یہ کام مکمل ہوا۔ احکام القرآن کا یہ حصہ ۱۴۰۷ھ میں ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی کے تحت شائع ہوا۔ یہ حصہ تین جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کے ۱۱۱۵ صفحات ہیں۔ اس حصہ کا پہلا جزء جو دو جلدوں پر مشتمل ہے، اس میں سورۃ الفاتحہ سے لے کر اختتام سورۃ البقرہ تک کے حصہ کی تفسیر کی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں موضوعات کی ۴۴ صفحات پر مشتمل فہرست بھی دی گئی ہے، علاوہ ازیں ۳۷ صفحات پر مشتمل ترتیب فقہی ابواب کی فہرست دی گئی ہے۔ اس حصہ کا دوسرا جزء سورۃ آل عمران اور سورۃ النساء کی منتخب آیات کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں کتاب کے آخر میں ۷ صفحات پر مشتمل موضوعات کی فہرست بھی دی گئی ہے۔

اسلوب تفسیر:۔ فاضل مصنف کا انداز تفسیر یہ ہے کہ اکثر مقامات پر متعلقہ آیت یا آیات کا ایک جزء نقل کرتے ہیں اور پھر اس سے مستنبط احکام کی تفصیل بیان کرتے ہیں، جبکہ بعض مقامات پر متن آیت کو نقل کرنے کے بجائے سورۃ میں موجود آیات سے متعلق اہم فقہی مسائل کو بیان کرتے ہیں، مثلاً سورۃ الفاتحہ کی آیات نقل کرنے کے بجائے سورۃ الفاتحہ سے متعلق اہم مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں، یہاں پر جن مسائل کی آپ نے وضاحت کی ہیں، ان میں مقتدی کے لیے سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا، کیا نماز میں سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا فرض ہے؟ اور سورۃ الفاتحہ کی آیات کی تعداد، وغیرہ جیسے مسائل شامل ہیں۔(۷)

مولانا عثمانی نے اپنی تفسیر میں یہ اسلوب بھی اپنایا ہے کہ بعض مقامات پر کسی مسئلہ سے متعلق طویل بحث کرتے ہیں مسئلہ کی وضاحت کے لیے مختلف مفسرین اور محدثین وفقہاء کے اقوال نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں مثلاً المقالة الرضية في حكم سجدة التحية کے عنوان کے تحت فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے ضمن میں سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیمی کے تفصیلی احکام بیان کرتے ہیں، مسئلہ کی وضاحت کے لیے مختلف اقوال نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس پر تو اتفاق پایا جاتا ہے کہ عبادت کے طور پر غیر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونا کفر ہے، البتہ سجدہ تعظیمی ان کے نزدیک فی نفسہ کفر نہیں ہے، اسی لیے سابقہ شریعتوں میں یہ جائز تھا، لیکن چونکہ یہ شرک کا ایک ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے، اس لیے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں غیر اللہ کے لیے مطلق سجدہ کی ممانعت کی گئی ہے، اگر چہ اس میں عبادت کا قصد نہ ہو اور سابقہ امتوں میں موجود سجدہ تعظیمی کے جواز کو منسوخ کیا گیا ہے۔(۸)

ماخذ ومصادر:۔ فاضل مفسر نے اپنی تفسیر میں جن ماخذ سے استفادہ کیا ہے اور جن کے حوالہ جات درج کئے ہیں، ان میں تفاسیر میں سے تفسیر احکام القرآن للجصاص، تفسیر ابن العربی، تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، مفاتیح الغیب، المدارک، بیان لقرآن، بیضاوی، تفسیر طبری، الدر المنثور للسیوطی، تفسیر احمدی، اور تفسیر مظہری۔ کتب حدیث میں سے صحاح ستہ کے علاوہ المنذری کی الترغیب والترغیب، المعجم للطبرانی، مصنف ابن ابی شیبہ، تدریب الراوی، سنن بیہقی، مصنف عبدالرزاق، فتح الباری، وفاء الوفاء، مجمع الزوائد، میزان الاعتدال، عمدۃ القاری للعینی، مسند احمد بن حنبل، اعلاء السنن، المنہاج للنووی، زیلعی، التمہید شرح موطا، طحاوی، الجوہر النقی، مشکل الآثار، نیل الاوطار، صحیح ابن

حبان، سنن دار القطنی، مشکوٰۃ المصابیح اور موطا امام مالک۔ فقہ واصول فقہ میں سے شرح المهذب، شاطبی، مجموعة الفتاویٰ، المغنی، تلخیص، ردالمحتار شرح اکبر لابن قدامہ اور دیگر بہت سی کتابیں شامل ہیں۔ مصنف ان ماخذ کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ ان کی جلد اور صفحہ نمبر کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔

۲۔احکام القرآن للترمذی:۔ قرآن حکیم کی دوسری منزل یعنی از سورۃ المائدہ تا آخر سورت براءۃ کی تفسیر کا کام بھی مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے سپرد ہوا تھا، لیکن اس منزل کو شروع کرنے سے قبل ہی آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے انتقال کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی ولد مفتی جمیل احمد تھانویؒ شیخ الحدیث ومدیر دار العلوم الاسلامیہ لاہور نے مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ جو اس وقت ساہیوال میں جامعہ حقانیہ کے مفتی اور مدیر تھے، سے استدعا کی کہ وہ منزل ثانی کی تالیف کا کام شروع کرے۔

مولانا عبدالشکور ترمذیؒ کا علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے بڑے شاگردوں میں شمار ہوتا ہے، آپ کے والد مفتی عبدالکریم مولانا اشرف علی تھانویؒ کے عہد میں خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں مفتی کے عہدے پر فائز تھے۔ مولانا سید عبدالشکور ترمذی مشرقی پنجاب (ہندوستان) کے ریاست پٹیالہ میں ۱۱رجب المرجب ۱۳۳۱ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم وتربیت کی ابتدا بھی حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی آغوش شفقت میں خانقاہ اشرفیہ امدادیہ تھانہ بھون کے مدرسہ اشرفیہ سے قرآن پاک حفظ وناظرہ، ریاضی، اردو، دینیات اور بہشتی زیور وغیرہ کی تعلیم سے ہوئی۔ بچپن ہی سے اپنے والد ماجد کے ساتھ حضرت حکیم الامت کی بابرکت مجلس عام وخاص میں بھی حاضری کی دولت اور حضرات طیبات سے استفادے کا موقع نصیب ہوا۔ پھر عربی وفارسی کی ابتدائی اور بعض متوسط کتب ہدایہ وجلالین وغیرہ تک اپنے والد ماجد اور دیگر اساتذہ سے پڑھیں۔ بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لئے دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے، جہاں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور حضرت مولانا خلیل احمد کیرانوی جیسے اکابر اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے اور ۱۳۶۵ھ میں دار العلوم دیوبند سے سند الفراغ حاصل کی۔ فراغت کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا اور مدرسہ عربیہ راجپورہ میں ریاست پٹیالہ میں تدریسی خدمات انجام دینے پر مامور ہوئے۔ اس کے بعد مدرسہ حقانیہ شاہ آباد میں درس نظامی کی تدریس کرتے رہے، یہاں تک کہ پاکستان بن گیا اور آپ ساہیوال ضلع سرگودھا میں قیام پذیر ہوئے۔ یہاں شہر کی قدیم جامع مسجد میں ایک مدرسہ قاسمیہ جاری کیا، جس میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے، اس کے ساتھ ساتھ خدمت افتاء بھی انجام دیتے رہے۔ مولانا ترمذی نے جنوری ۲۰۰۱ء میں وفات پائی اور اسی قصبہ یعنی سرگودھا میں مدفون ہوئے۔

مولانا ترمذی نے ساری عمر تدریس وتبلیغ واصلاح اور تصنیف میں گزاری، متعدد علمی شاہکار آپ کے قلم فیض رقم سے منصۂ شہود پر آئے اور سینکڑوں علمی اور اصلاحی مقالات شائع کرائے۔ آپ کی مطبوعہ تصانیف، رسائل، مضامین اور مقالات کی تعداد ۹۴ ہے، جبکہ غیر مطبوعہ ۴۰ ہیں، اس طرح آپ کی تصانیف کی کل تعداد ۱۳۴ ہے۔ آپ کی چند مشہور تصانیف یہ ہیں، تکملہ احکام القرآن عربی، ہدایۃ الحیران، بارہ مہینوں کے احکام، اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام، دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت، فتویٰ کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت، سفر تھانہ بھون ودیوبند، حج کا آسان طریقہ اور تذکرہ حضرت مدنی وغیرہ۔(۹)

مفتی عبدالشکور ترمذیؒ نے اپنے استاد اور مرشد یعنی مولانا ظفر احمد عثمانی کے اس حصے کی تکمیل کی ذمہ داری لے لی۔ آپ نے ۱۴۰۸ھ میں اس منزل ثانی کی تالیف کا آغاز کیا اور ۱۴۱۳ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے، گویا آپ نے اس کی تالیف پانچ سالوں میں مکمل کی۔ مذکورہ حزب یعنی منزل ثانی کا جتنا حصہ اب تک شائع ہوا ہے، وہ تین اجزاء (جلدوں) پر مشتمل ہے، جزء اول میں آغاز سورۃ المائدہ سے لے کر آیت ۱۰ تک یعنی کل ۱۰ آیات کی تفسیر بیان ہوئی ہے، ان دس آیتوں کے ۱۳۳ اجزاء سے ۵۷۶ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، یہ جلد کل ۵۹۰ صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کے آخر میں مولانا خلیل احمد تھانوی کی مرتب کردہ مصادر ومراجع کی مکمل فہرست بھی شامل کی گئی ہے، جن کی تعداد ۱۱۵ ہے، علاوہ ازیں کتاب کے بالکل اخیر میں موضوعات کی ایک جامع فہرست بھی پیش کی گئی ہے۔ دوسری جلد سورۃ المائدہ کی آیت ۱۱ سے لے کر اختتام سورت تک کی تفسیر پر مشتمل ہے، اس طرح آیات الاحکام کے ۱۱۰۵ اجزاء کی تفسیر بیان ہوئی ہے اور ان اجزاء سے ۳۸۵ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، یہ جلد کل ۴۹۶ صفحات پر مشتمل ہے، کتاب میں ۱۰۹ مصادر ومراجع کی فہرست بھی دی گئی ہے، علاوہ ازیں آخر میں موضوعات کتاب پر مشتمل ایک جامع فہرست بھی شامل کی گئی ہے۔

مذکورہ منزل ثانی کی تیسری جلد سورت الانعام اور سورت الاعراف کی تفسیر پر مشتمل ہے، سورت الانعام کے آیات الاحکام سے متعلق ۱۱۲۸ اجزاء کی تفسیر بیان کی گئی ہے، ان اجزاء سے نکالے گئے مسائل کی تعداد ۲۹۰ ہے، اسی طرح سورت الاعراف کے آیات الاحکام کے ۱۸۹ اجزاء کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ۱۳۲ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، یہ جلد کل ۵۱۸ صفحات پر مشتمل ہے، گذشتہ جلدوں کی طرح یہاں بھی مصادر ومراجع اور موضوعات کی جامع فہرست دی گئی ہے، یہ تینوں جلدیں ادارۃ اشرف التحقیق والبحوث الاسلامیہ لاہور کے تحت شائع ہوئی ہیں، مذکورہ منزل کی بقایا دوسورتوں یعنی سورت الانفال اور سورت التوبہ کی تفسیر زیر طباعت ہے۔

اسلوب:۔ مولانا ترمذیؒ کا اسلوب بھی یہ رہا ہے کہ وہ مولانا عثمانی کی طرح زیر مطالعہ آیت یا اس کا کچھ حصہ نقل کرنے کے بعد تفصیل سے تفسیری مباحث بیان کرتے ہیں، آپ آیت یا آیات کے ان حصوں کا متن نقل کرتے ہیں جن سے فقہی احکام کا استنباط ہوتا ہے، مسائل بیان کرنے کے ضمن میں وہ احادیث مبارکہ اور مفسرین وفقہاء کے اقوال درج کرتے ہیں اور ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد اکثر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں، مولانا ترمذیؒ نے جس تفصیل سے مسائل بیان کئے ہیں اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے سورۃ المائدہ کی ابتدائی دس آیات سے ۵۳۰ صفحات پر مشتمل ۵۷۶ مسائل کا استخراج کیا ہے۔

عقد کی پابندی سے متعلق آیت مبارکہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (۱۰) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اس میں ہر قسم کے معاہدات اور وعدے شامل ہیں، چاہے وہ وعدے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے سے متعلق ہوں یا وہ معاہدات لوگوں کے آپس کے معاملات سے متعلق ہوں، اس آیت سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے کہ خرید فروخت میں جب طرفین سے ایجاب وقبول کی تکمیل ہوجائے تو یہ ایک قسم کا معاہدہ ہے، جس کی پابندی آیت کی رو سے بائع اور مشتری ہر ایک پر لازم ہے، لہٰذا بائع اور مشتری میں سے کسی کو بغیر خیار شرط

اور خیار رویت وخیار عیب کے بیع کو فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں، جبکہ امام شافعی کہتے ہیں کہ آیت میں موجود حکم عام ہے، اور حدیث نے اس کی تخصیص کی ہے اور وہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ المتبایعان بالخیار کل واحد منھما مالم یتفرقا (۱۱) "خرید وفروخت کرنے والے کو سودا واپس لینے دینے کا اختیار ہے جب تک کہ جدا نہ ہو جائیں" اس حدیث کی رو سے ان کے نزدیک جب خیار مجلس ثابت ہے تو جب تک مجلس عقد سے دونوں جدا جدا نہ ہو جائیں، خیار باطل نہیں ہوتا۔ احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس قسم کی احادیث خیار قبول پر محمول ہیں نہ کہ خیار مجلس پر اور اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دونوں بیع (ایجاب وقبول) کے وقت بیع کرنے والے ہوتے ہیں، بیع کی تکمیل کے بعد نہیں۔ اس لیے اسے قرآنی حکم کے تقاضا کے برخلاف محمول نہیں کیا جاسکتا اور حدیث میں جدا ہونے سے مراد گویا کلام سے جدا ہونا مراد ہے (یعنی جب ایجاب وقبول ہوگیا تو فریقین ایک دوسرے سے کلام کے اعتبار سے جدا ہوگئے) جسمانی جدائی مراد نہیں، وہ مزید لکھتے ہیں کہ اگر ہم یہ تسلیم بھی کرے کہ حدیث میں جسمانی جدائی مراد ہے تو حدیث کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ یہ خیار مجلس مستحب ہوگا نہ کہ واجب۔ (۱۲)

ماٰخذ ومصادر:۔ مولانا نے اپنی کتاب کی تالیف میں جن کتب کو مصدر وماٰخذ بنایا ہے اس کی فہرست کافی طویل ہے سب سے زیادہ استفادہ جصاص کی احکام القرآن سے کیا ہے، اس کے علاوہ علامہ ظفر احمد عثمانی کی احکام القرآن، ابن العربی کی احکام القرآن، الاکلیل فی استباط التنزیل للسیوطی، تفسیر جلالین، تفسیر ابن کثیر، تفسیرات الاحمدیہ، تفسیر مظہری، تفسیر روح البیان، تفسیر بحر المحیط اور الجامع لاحکام القرآن وغیرہ تفاسیر کو ماٰخذ بنایا ہے، جبکہ حدیث میں صحاح ستہ کے علاوہ معجم طبرانی، مسند احمد، سنن بیھقی، سنن دارقطنی اور مشکوۃ المصابیح وغیرہم سے استفادہ کیا ہے، اسی طرح فقہ میں بدائع الصنائع، البحر الرائق، البنایہ، تبیین الحقائق، الدر المختار، رد المحتار، شرح الوقایہ، فتح القدیر، کتاب المبسوط، کتاب الام، المغنی اور الھدایہ وغیرہ سے بکثرت استفادہ کیا ہے۔

۳۔ احکام القرآن للشیخ جمیل احمد تھانوی :۔ قرآن حکیم کی منزل ثالث یعنی از سورۃ یونس تا آخر سورۃ نحل اور منزل رابع یعنی سورۃ بنی اسرائیل تا آخر سورۃ الفرقان کی تالیف کی ذمہ داری شیخ جمیل احمد تھانوی کے سپرد ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب غالباً ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۰۲ء کے لگ بھگ تھانہ بھون میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم راجپور ضلع سہارنپور میں شروع ہوئی، اسکول کی ابتدائی تعلیم علی گڑھ میں حاصل کی، بقایا ساری تعلیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مکمل کرکے ۱۳۴۲ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ حضرت مفتی صاحب نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے نہ صرف باقاعدہ علمی استفادہ اور کسب فیض کیا تھا، بلکہ ان دونوں جلیل القدر شخصیات کی صحبت بابرکت اور فیض تربیت سے اپنے آپ کو منور کیا تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے تھانہ بھون منتقل ہوئے تھے اور ۱۳۶۲ھ یعنی مولانا اشرف علی تھانویؒ کے انتقال تک وہیں مقیم رہے، یہی وہ زمانہ تھا جب آپ نے احکام القرآن کی تصنیف کا کام شروع کیا۔ حکیم الامت کے انتقال کے بعد مفتی صاحب پاکستان آئے اور یہاں لاہور کے جامعہ اشرفیہ میں بحیثیت استاد آپ کا تقرر ہوا۔ اپنی

زندگی کے آخری لمحات تک آپ یہیں مقیم رہے، اور فتوی دینے کی خدمت انجام دیتے رہے۔ دسمبر ۱۹۹۴ء موافق ۱۴۲۵ھ آپ کا انتقال ہوا، آپ کے انتقال کے ساتھ ہی ایک پوری نسل اور قرن کا خاتمہ ہوگیا، کیونکہ اس وقت برصغیر میں مفتی صاحب غالباً وہ واحد عالم دین تھے، جنہوں نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے علمی استفادہ اور روحانی تربیت حاصل کی تھی۔ (۱۳)

آپ کی اہم تصنیفات درج ذیل ہیں:

منہج الدراسة للمدارس والجامعات الاسلامیه، اظهار الطرب علی اشعار ازهار العرب، حلیة اللحیة، شرح بلوغ المرام من ادلة الاحکام لابن حجر عسقلانی، الحاوی علی الطحاوی، دعوة الی التجارة، شاتم الرسول ﷺ وعقوبته فی الشریعة، وجوب حد الرجم، دلائل علی وجوب الاضحیة، دلائل القرآن علی مسائل النعمان (احکام القرآن)(۱۴)

شیخ جمیل احمد تھانوی ؒ نے اپنے حصے کی دونوں حزبوں یعنی حزب ثالث اور رابع میں سے حزب ثالث کی تالیف کا کام ۱۳۶۱ھ میں حکیم الامت کی زندگی ہی میں شروع کیا تھا اور ہجرت پاکستان سے قبل ۱۳۶۷ھ میں حزب ثالث کی تالیف مکمل کی۔ اس نسخہ کی اشاعت میں اس لئے تاخیر ہوئی کہ مفتی صاحب نے اس تحریر شدہ مسودہ پر حضرت تھانویؒ سے حاصل کردہ مزید فوائد اور استنباطات حواشی کی شکل میں تحریر کئے تھے، جس کی وجہ سے مسودہ کے پڑھنے میں مشکلات پیش آرہی تھی، اس لئے تبییض کی ضرورت پیدا ہوگئی تھی، چنانچہ آپ کے صاحبزادے مولانا خلیل احمد تھانوی نے ۱۴۱۳ھ میں اس کی تبییض کا کام شروع کیا اور تین سالوں میں اس کام کو مکمل کیا، اس طرح ۱۴۱۶ھ میں تقریباً ۵۰ سال کے بعد ادارۃ اشرف التحقیق والبحوث الاسلامیہ کے تحت اس کی اشاعت ممکن ہوئی۔

حزب ثالث کا یہ حصہ تین اجزاء پر مشتمل ہے۔ پہلے جزء میں سورۃ یونس کی ۶۰ آیتوں سے ۱۵۵ مسائل نکالے گئے ہیں۔ جزء ثانی سورۃ ھود کی تفسیر پر مشتمل ہے، اس جزء میں سورۃ ھود کی ۱۲۰ آیتوں میں سے ۲۲۹ مسائل نکالے گئے ہیں۔ تیسرے جزء کی تفصیل اس طرح ہے کہ سورۃ یوسف کی ۳۱ آیتوں میں ۳۵ مسائل، سورۃ الرعد کی دو آیات میں سے دو ہی مسائل، سورۃ ابراہیم کی دو آیات سے بھی دو مسائل، سورۃ الحجر کی چھ آیت سے چھ اور سورۃ النحل کی ۳۱ آیات سے ۴۰ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے۔ تینوں اجزاء کی صفحات کی تعداد ۱۱۷۵ ہے۔

حزب رابع یعنی از آغاز سورۃ بنی اسرائیل تا آخر سورۃ الفرقان کی تالیف کا کام ہجرت پاکستان اور تدریسی وفتاوٰی کی مصروفیت کی وجہ سے چونکہ منقطع ہوگیا تھا، اس لیے مفتی صاحب نے ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء میں دوبارہ شروع کیا، باوجودیکہ آپ ضعیف اور مریض تھے، اور آپ کی عمر اس وقت ۸۵ سال تھی، لیکن متواتر محنت کر کے چھ سالوں میں اس کی تالیف مکمل کی اور اس طرح ۱۴۱۳ھ میں آپ اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔ مذکورہ حزب یعنی منزل رابع کا جتنا حصہ اب تک ادارۃ اشرف التحقیق والبحوث

اسلامیہ کے تحت شائع ہوا ہے وہ دو اجزاء (جلدوں) پر مشتمل ہے، جزء اول میں سورت الاسراء اور سورۃ الکہف کی تفسیر بیان ہوئی ہے، سورۃ الاسراء کی آیات الاحکام کے ۱۵۱ اجزاء کی تفسیر بیان کی گئی ہے، جن سے ۲۰۵ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، اسی طرح سورۃ الکہف کے احکام سے متعلق آیات کے ۱۶۳ اجزاء کی تفسیر بیان کی گئی ہے، جن سے ۲۶۰ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، یہ جلد کل ۴۲۷ صفحات پر مشتمل ہے، اسی طرح جزء ثانی سورت مریم اور سورۃ طٰہٰ کی تفسیر پر مشتمل ہے، سورۃ مریم کے اجزاء آیات الاحکام کی تعداد ۷۵ ہے، ان سے ۲۶۱ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، جبکہ سورۃ طٰہٰ کے احکام سے متعلق جن اجزاء کی تفسیر بیان کی گئی ہے ان کی تعداد ۶۷ ہے، ان اجزاء سے ۲۷۷ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، یہ جلد کل ۴۲۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

حزب رابع کی جزء ثالث سورۃ الانبیاء اور سورۃ الحج کی تفسیر پر مشتمل ہے، سورۃ الانبیاء کے اجزاء آیات الاحکام کی تعداد ۳۲ ہے، ان سے ۱۱۰ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، جبکہ سورۃ الحج کے اجزاء آیات الاحکام کی تعداد ۳۸ ہے اور ان سے مسائل مستخرجہ کی تعداد ۱۸۶ ہے، یہ جزء ثالث ۵۳۱ صفحات پر مشتمل ہے اور ادارۃ اشرف التحقیق والبحوث الاسلامیہ کے تحت ۱۴۳۱ھ میں شائع ہوا ہے۔

اسی طرح حزب رابع کا چوتھا جزء سورۃ المومنون، سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کی تفسیر پر مشتمل ہے، سورۃ المومنون کی آیات الاحکام کی تعداد ۲۳ ہے، جن سے ۲۰ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، جبکہ سورۃ النور کی آیات الاحکام کی تعداد ۱۹ ہے، جن سے ۱۳۲ مسائل نکالے گئے ہیں اور سورۃ الفرقان کی آیات الاحکام کی تعداد ۱۲ اور مستنبط شدہ مسائل کی تعداد ۱۷ ہے، یہ جلد (جزء) ۳۵۱ صفحات پر مشتمل ہے اور ادارہ اشرف التحقیق لاہور کے زیر اہتمام ۱۴۳۳ھ میں شائع ہوا ہے۔

اسلوب: دیگر مؤلفین کی طرح مفتی صاحب کا انداز بھی یہ کہ آیت قرآنی نقل کرنے کے بعد اس کے متعلق مسائل واحکام ذکر کرتے ہیں، مفتی صاحب کا تالیف کردہ یہ حصہ دیگر حصص کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ضخیم ہے اور اس میں مفتی صاحب نے فقہی احکام کے علاوہ دیگر علوم ونکات بھی مفصل بیان کیے ہیں۔

قرآنی آیت قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (۱۵) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ آیت ظاہری طور پر اس پر دلالت کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر خوشی منانا واجب ہے، جبکہ قرآن حکیم کی دیگر آیات مثلاً لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ (۱۶) سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ فرح وخوشی کا چونکہ اس دنیا میں جگہ نہیں، اس لیے یہاں پر خوشی منانا جائز نہیں، گویا یہاں پر بظاہر تعارض نظر آرہا ہے۔ مفتی صاحب نے متعدد مفسرین کے اقوال نقل کرنے کے بعد اس تعارض کو دور کیا ہے، انہوں نے اس تعارض کا ایک جواب فخر الدین رازی کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ جہاں خوش ہونے کو منع فرمایا ہے وہاں خوشی کا تعلق متاع دنیا سے ہے اور جہاں خوش ہونے کا حکم دیا ہے وہاں خوشی کا تعلق اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت سے ہے، دوسرا جواب مفتی صاحب نے اپنی طرف سے یہ دیا ہے کہ دنیوی نعمتوں کے حصول پر ایسی خوشی منانا جائز نہیں جس میں فخر وغرور، ظلم اور سرکشی شامل ہو، ظاہر ہے جس خوشی میں یہ چیزیں شامل ہوں تو وہ مذموم ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ دنیوی نعمت کو آخرت کے لیے کھیتی سمجھ کر اس سے کام لیا جائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے، تو یقیناً اس مقام پر خوشی منانا جائز

اور محمود ہے۔(۱۷)

ماخذ ومصادر:۔ مفتی صاحب نے جن علمی کتب کو اپنی تفسیر کا ماخذ ومصدر بنایا ہے، اس کی فہرست اس کے بیٹے خلیل احمد تھانوی نے مرتب کیا ہے، یہ جامع فہرست کتاب کے آخر میں شامل ہے، ان مصادر کی تعداد ۸۶ ہے، نیز موضوعات کتاب کی ایک مکمل فہرست بھی درج کی گئی ہے۔ اہم مصادر ومراجع کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

احکام القرآن لابن العربی ،احکام القرآن للجصاص ،الاحکام فی اصول الاحکام لآمدی، تفسیر ابی سعود، احیاء علوم الدین، اشعة اللمعات لامام عبدالحق، الاکلیل فی استنباط التنزیل للسیوطی، امداد الفتاوی للتھانویؒ، البحر الرائق لابن نجیمؒ بدائع الصنائع للکاسانیؒ، بدایة المجتهد لابن رشد، بذل المجهود للشیخ خلیل احمد، بوادر النوادر للتھانوی، تفسیر بیان القرآن، تفسیر ابن کثیر، تفسیر روح البیان، تفسیر غرائب القرآن للنیسابوری، تفسیر ابن عباس، تفسیر جریر طبری، الدر المنثور، ردالمحتار علی الدر المختار، روح المعانی، اور تفسیر کبیر وغیرہ۔

۴۔ احکام القرآن ،مفتی محمد شفیع :۔ قرآن حکیم کی منزل خامس (از سورۃ الشعراء تا آخر سورۃ یٰسٓ) اور منزل سادس (از سورۃ الصافات تا آخر سورۃ الحجرات) کی تفسیر مفتی محمد شفیعؒ کے سپرد ہوئی۔ مفتی محمد شفیع بن مولانا محمد یسین ۲۱ شعبان ۱۳۱۴ھ بمطابق ۱۸۹۷ء کو دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۲۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۵ھ میں درسیات ختم کیں۔ ۱۳۳۶ھ میں دارالعلوم میں فنون کی چند اعلیٰ کتب کی تعلیم کے ساتھ ابتدائی کتب کا درس دینا شروع کیا۔ ۱۳۶۲ھ میں صدر مفتی بنا دیے گئے۔ آپ نے سب سے پہلے شیخ الہند مولانا محمود حسن کے دست مبارک پر بیعت کی تھی اس کے بعد حکیم الامت کی خدمت اقدس میں رہنا شروع کیا اور کافی عرصے بعد ان کے دست مبارک پر تجدید بیعت کی۔ ۱۳۶۲ھ تک سترہ سال مسلسل تھانہ بھون حاضری ہوتی رہی۔ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو کر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کے ساتھ تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد ۶ مئی ۱۹۴۸ء کو پاکستان کی حدود میں قدم رکھا۔ یہاں منظم دستور اسلامی کی جدوجہد کی اور علوم دینیہ کو پھیلانے کا پروگرام دارالعلوم کراچی کے ذریعہ بنایا۔ آپ نے ۱۱ شوال ۱۳۹۶ھ بمطابق ۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو وفات پائی۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو سے زائد ہیں جن میں اہم تصانیف تفسیر احکام القرآن، معارف القرآن ،جواهر الفقه، ختم النبوة، سیرة خاتم الانبیاءؐ ،آلات جدیدہ، احکام الاراضی، التصریح بما تواتر فی نزول المسیح، هدیة المهدیین فی آیات ختم النبیینؐ، ثمرات الاوراق وغیرہ شامل ہیں۔(۱۸)

مفتی محمد شفیعؒ نے حکیم الامت کی زندگی میں اس حصے کی تالیف کا کام شروع کیا تھا، لیکن حکیم الامت کی وفات سے قبل آپ صرف سورۃ الشعراء اور سورۃ القصص کی بعض آیات کی تفسیر مکمل کر چکے تھے۔ اس کے بعد ۱۳۸۸ھ میں تقریباً ۳۳ سال کی طویل

مدت میں آپ نے ان دونوں منزلوں کی تفسیر وتالیف کا کام مکمل کیا اور ۱۴۰۷ھ میں یہ حصہ دو جلدوں میں ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی کے تحت شائع ہوا۔ دونوں جلدوں کی صفحات کی تعداد ۸۵۳ ہے۔ پہلی جلد میں جن سورتوں کے منتخب آیات کی تفسیر بیان کی گئی ہے، اُن میں سورة الشعراء، سورة النحل، القصص، العنکبوت، الروم، لقمان، السجدة، الاحزاب، سبا، فاطر اور سورة یس شامل ہیں۔ یہ جزء ۵۵۱ صفحات ہے۔ دوسری جلد میں درج ذیل سورتوں کے آیات منتخبہ کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

سورة الصفٰت، سورة ص، الزمر، المؤمن، فصلت، الشوریٰ، الزخرف، الدخان، الجاثیه، الاحقاف، محمد، الفتح اور سورة الحجرات۔

اسلوب:۔ مفتی محمد شفیعؒ کیونکہ بنیادی طور پر فقیہ ومفتی ہیں، اس لیے ان کے حصہ میں فقہیانہ اسلوب غالب ہے، مفتی صاحب نے جو تفسیری اسلوب برقرار رکھا ہے وہ مولانا ظفر احمد عثمانی کے اسلوب سے ملتا جلتا ہے، مفتی صاحب کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ متن آیت یا آیات کو نقل کرتے ہیں، بعض مقامات پر آیت میں موجود بعض مشکل الفاظ کی لغوی تشریح بھی کرتے ہیں، مثلاً آیت وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ (۱۹) میں اَلْقِسْطَاس کی لغوی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض کے نزدیک یہ اصل میں رومی لفظ ہے جس کا معنی عدل کے ہیں، یہ مجاہد سے مروی ہے اور بعض نے عربی لفظ "قسط" سے ماخوذ قرار دیا ہے (جس کے معنی بھی انصاف کے ہیں) اور یہ "فعلاع" کے وزن پر ہے اور بعض کے نزدیک یہ "قسطس" سے نکلا ہے جو رباعی ہے اور جس کا وزن "فعلال" ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہاں وزن کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں کمی سے منع کیا گیا ہے، لیکن وزن میں زیادتی سے منع نہیں کیا گیا۔(۲۰)

مفتی صاحب آیات منتخبہ سے مستنبط شدہ مسائل کو بیان کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ تفصیلی دلائل نقل کرتے ہیں، بلکہ بعض مقامات پر باقاعدہ عنوانات قائم کر کے اُن پر تفصیلی بحث کرتے ہیں، مثلاً کشف الریب عن علم الغیب (۲۱) الاستبانة لمعنی السبب والاعانة (۲۲) تکمیل الحبور بسماع القبور (۲۳) الناهی عن الملاهی (۲۴) کشف الغناء عن وصف الغناء (۲۵) تفصیل الخطاب فی آیات الحجاب (۲۶) تنقیح الکلام فی احکام الصلوٰة والسلام (۲۷) ثبوت عذاب القبر بالکتاب والسنة (۲۸) عین الاصابة فی مقام الصحابة (۲۹) موقف اهل الانابة فی مشاجرات الصحابةؓ (۳۰) اور یہ عنوانات اس لئے قائم کئے ہیں تا کہ علیحدہ رسالہ کی شکل میں ان کی اشاعت آسان ہو۔

قرآنی آیت وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ (۳۱) سے ایک فقہی حکم کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم اور تبلیغ پر اجرت لینا درست نہیں ہے، اس لیے سلف صالحین نے اجرت لینے کو حرام کہا ہے، جبکہ متاخرین نے اس کو بحالت مجبوری جائز قرار دیا ہے، تا کہ امت پر علم اور تعلیم کا دروازہ بند نہ ہو، کیونکہ علماء کا نفقہ بیت المال سے دینا لازم ہے جس پر عرصے سے عمل نہیں ہو رہا، اب اگر علماء معاش کے کمانے میں مشغول ہو جائیں تو مدارس اور مکاتب ضائع ہوں گے، اس لیے

تفسیر الکشاف، روح المعانی، احکام القرآن للجصاص، احکام القرآن لابن العربی، تفسیر ابن کثیر، الدر المنثور، تفسیر ابن جریر، معجم مفردات القرآن، الترغیب والترھیب للمنذری، فتح الباری، عمدۃ القاری، المستدرک للحاکم، الشفاء للقاضی عیاض، التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح، نیل الاوطار، نصب الرایۃ، نوادر الاصول لحکیم الترمذی، شرح الصدور للسیوطی، کنز العمال، تذکرۃ الموضوعات، الدر المختار، رسائل ابن عابدین، احیاء العلوم للغزالی، الاعتصام للشاطبی، فتح القدیر لابن الھمام، خلاصۃ الفتاوی، فتاوی ھندیہ، بحر الرائق، الھدایہ للمرغینانی، اور المبسوط للسرخسی وغیرہ شامل ہیں۔

(۵) احکام القرآن: محمد ادریس کاندھلوی: ۔قرآن حکیم کی منزل سابع (از سورۃ ق تا آخر قرآن حکیم) کی تفسیر کا کام مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے سپرد ہوا تھا۔ شیخ محمد ادریس بن حافظ محمد اسمٰعیل کاندھلوی ہندوستان کے شہر کاندھلہ میں ۱۳۱۸ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی، اپنے عمر کے نوے سال یعنی بالغ ہونے سے پہلے ہی قرآن حفظ کیا تھا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مدرسہ اشرفیہ تھانہ بھون میں داخلہ لیا۔ اس مدرسے میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور چلے گئے۔ ۱۹ برس کی عمر میں یہاں سے سند فراغ حاصل کی، پھر مکرر دورہ حدیث کے لئے مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ یہاں سے دوبارہ دورہ حدیث پڑھ کر سند حدیث حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حکیم الامت شیخ اشرف علی تھانویؒ، شیخ خلیل احمد سہارنپوریؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی عزیز الرحمٰن وغیرہ شامل ہیں۔ تعلیم کے حصول کے بعد ایک سال تک آپ مدرسہ امینیہ دہلی میں پڑھاتے رہے، یہاں ایک سال قیام کے بعد دار العلوم دیوبند کی کشش آپ کو دیوبند کھینچ لائی۔ یہاں نو سال آپ دیوبند سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد بعض وجوہ کی بنا پر آپ حیدرآباد دکن منتقل ہوئے اور کم وبیش نو سال ہی یہاں آپ کا قیام رہا۔ یہاں پر آپ نے اپنی مشہور کتاب التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح تصنیف کی۔ اس کے بعد آپ علامہ شبیر احمد عثمانی کے اصرار پر واپس دار العلوم دیوبند آئے اور یہاں پر شیخ الحدیث کی حیثیت سے دس سال تک درس دیتے رہے، پاکستان بننے کے دو سال بعد ۱۹۴۹ء میں آپ نے پاکستان ہجرت کی اور جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں جامعہ اشرفیہ لاہور سے منسلک ہوئے اور اپنی وفات تک مقیم رہے۔ آپ نے رجب ۱۳۹۴ھ بمطابق ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء وفات پائی۔ (۳۲)

آپ کی اہم تصانیف درج ذیل ہیں:

مقدمہ صحیح بخاری، الکلام الموثوق فی تحقیق ان القرآن کلام اللہ الغیر المخلوق، سلک الدرر شرح تائیۃ القضاء والقدر، الباقیات الصالحات شرح حدیث انما الاعمال بالنیات، تحفۃ الاخوان شرح حدیث شعب الایمان، شرح مقامات حریری، شرح

متاخرین نے بحالت مجبوری تعلیم پر اجرت لینا جائز قرار دیا ہے۔ (۳۲)

مفتی صاحب کے اسلوب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بعض مقامات پر کسی حکم شرعی کے اثبات کے لیے بہت سی احادیث نقل کرتے ہیں، مثلاً قرآنی آیت وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (۳۳) کے تحت پردے کے احکام بیان کرتے ہوئے سترہ احادیث نقل کرتے ہیں۔ (۳۴)

آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (۳۵) کی تشریح کرتے ہوئے جہاں آپ نے صلوۃ وسلام کے تفصیلی احکام بیان کئے ہیں، وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے درج ذیل مواقع پر درود پڑھنا مستحب ہے:

۱۔ کسی مجلس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور حمد وثناء کے بعد۔

۲۔ دعا کے اول وآخر میں۔

۳۔ مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت۔

۴۔ اذان اور وضو کے بعد۔

۵۔ آپ ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت کے موقع پر۔

۶۔ کتب اور خطوط کے آغاز میں بسم اللہ اور حمد کے بعد۔

۷۔ تہجد کے لیے نیند سے اٹھنے کے وقت، اور

۸۔ حادثات وآفات کے پیش آنے کے وقت آپ ﷺ پر درود بھیجنا مستحب ہے۔ (۳۶)

مفتی صاحب کے تفسیری اسلوب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ عقائد اہل سنت والجماعت کے اثبات کے لیے قرآن وحدیث سے تفصیلی دلائل پیش کرتے ہیں، اس کے ساتھ وہ منکرین کے مختلف شبہات ذکر کرکے نقلی اور عقلی دلائل کے ساتھ ان کا رد بھی کرتے ہیں، مثلاً آیت اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ (۳۷) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے قرآن وحدیث سے عذاب قبر سے متعلق تفصیلی دلائل دیے ہیں اور اس کے بعد منکرین کے شبہات ذکر کرکے ان کا تفصیلی رد بیان کیا ہے اور اس کو ایک مستقل عنوان ثبوت عذاب القبر بالکتاب والسنۃ کا نام دیا ہے۔ (۳۸)

مفتی صاحب کے اسلوب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ بعض مقامات پر وہ عصر حاضر کے جدید مسائل پر بھی گفتگو کرتے ہیں، مثلاً قرآنی آیت وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰکِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌ بَصِیْرٌ (۳۹) اور یہ آیات وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ الی قولہ وَرَحْمَتُ رَبِّکَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (۴۰) کی تشریح کرتے ہوئے اسلام کے معاشی اصولوں پر تفصیلی بحث کرتے ہیں اور اس ضمن میں اشتراکیت اور اشتمالیت کے اصولوں پر مبنی معاشی نظام کا رد بھی بیان کرتے ہیں۔ (۴۱)

ماخذ ومصادر: ۔ آپ نے جن ماخذ ومصادر کو اپنی تفسیر کا بنیاد بنایا ہے، ان کی ایک لمبی فہرست ہے، جن میں اہم ماخذ ومصادر حسب ذیل ہیں:

البیضاوی، تفسیر معارف القرآن (۵ جلدیں) التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح ،علم الکلام، سیرۃ المصطفے ﷺ وغیرہ۔

مفسر موصوف نے اپنے حصے کی تفسیر کا آغاز حکیم الامت کی زندگی میں کیا اور ۱۳۶۴ھ میں اس کی تالیف مکمل کی۔ یہ حصہ بھی ادارۃ القرآن کراچی کے زیر اہتمام ۱۴۰۷ھ میں شائع ہوا۔ یہ ایک جلد پر مشتمل ہے اور اس کے ایک سو تیس صفحات ہیں۔ یہ حصہ علیحدہ جلد کی صورت میں شائع نہیں ہوا ہے، بلکہ حزب سادس (مؤلف مفتی محمد شفیعؒ) کے ساتھ ایک جلد میں شائع ہوا ہے۔

اسلوب:۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے حزب سابع کی تمام سورتوں کی تفسیر نہیں لکھی ہے، بلکہ بعض سورتوں کو چھوڑ دیا ہے، مثلاً سورۃ التغابن، سورۃ الملک، سورۃ القلم اور سورہ الحاقۃ۔ آپ کی تفسیر کا انداز یہ ہے کہ کہ سورتوں کے آغاز ہی میں اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ کتنی آیات کی آپ نے تفسیر بیان کی ہے اور ان آیات سے کتنے مسائل کا استخراج کیا ہے۔ سب سے زیادہ ۴۸ مسائل سورۃ المجادلہ میں بیان ہوئے ہیں، جبکہ دیگر سورتوں میں ایک سے لے کر ۱۵ تک مسائل کا استخراج کیا گیا ہے۔

مولانا کا تالیف کردہ یہ حصہ دیگر مؤلفین کی تالیف کردہ حصوں کے مقابلے میں بہت مختصر ہے، جس طرح اردو زبان میں آپ کے تالیف کردہ تفسیر قرآن "معارف القرآن" پر محدثانہ اور متکلمانہ اسلوب غالب ہے، اسی طرح یہاں بھی مولانا کا اسلوب محدثانہ اور متکلمانہ ہے۔ مولانا لغوی بحث بہت کم کرتے ہیں، البتہ بعض مقامات پر الفاظ کی لغوی تشریح کرتے ہوئے اسباب نزول بھی بیان کرتے ہیں (۴۳)۔

مولانا کاندھلوی کی تالیف کردہ تفسیر کا یہ حصہ اگرچہ مختصر ہے، لیکن بعض مقامات پر متعلقہ مسائل تفصیل سے بھی بیان کرتے ہیں، مثلاً ظہار سے متعلق قرآنی آیات قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِهَا الیٰ قوله وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۴۴) کی تشریح کرتے ہوئے ظہار اور کفارہ ظہار سے متعلق سترہ مسائل بیان کرتے ہیں۔ (۴۵) مولانا کاندھلوی کسی شرعی حکم سے متعلق فقہاء کے اختلاف کی صورت میں ائمہ اربعہ کے اقوال اور مسالک بھی بیان کرتے ہیں اور پھر احناف کا مسلک بیان کرتے ہوئے اس کی تائید میں بعض احادیث بھی نقل کرتے ہیں، بہر حال تفسیر کا یہ حصہ مختصر ہونے کے باوجود بعض مفید خصوصیات کا حامل ہے۔

مصادر و مآخذ:۔ فاضل مصنف نے اپنی تفسیر میں جن مصادر و مراجع کو بنیاد بنایا ہے، اُن میں کتب حدیث کے علاوہ تفاسیر میں سے الاکلیل فی استنباط التنزیل للسیوطی، احکام القرآن للجصاص، روح المعانی للآلوسی، تفسیر احمدی، تفسیر کبیر للرازی، احکام القرآن لابن العربی شامل ہیں، جبکہ دیگر کتابوں میں فتح الباری، التمهيد لابی الشکور السالمی، بهجة النفوس، احیاء العلوم للغزالی، الحجة اللّٰه البالغه اور بدایة المجتهد وغیرہ شامل ہیں۔

تکملہ الحزب السابع: مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے چونکہ حزب سابع کی تفسیر دیگر احزاب کی تفاسیر کے مقابلے میں بہت اختصار سے لکھا ہے، اس لئے ضرورت اس امر کی تھی کہ اس حزب کی مزید تفسیر بیان کی جائے اور جدید مباحث بھی

شامل کئے جائیں، تاکہ یہ تفسیر بھی دیگر تفاسیر اور حکیم الامت کے منہج اور انداز تفسیر کے مطابق بن جائے، اس لئے مولانا مشرف علی تھانوی کی درخواست پر مولانا عبدالشکور ترمذیؒ (جس نے دوسرے حزب کی تفسیر مکمل کی تھی) نے اس حزب سابع کا تکملہ لکھا۔ فاضل مصنف نے ایسی بہت سی آیات سے مسائل کا استخراج کیا ہے، جنہیں مولانا کاندھلوی نے چھوڑ دیے تھے اور بعض مقامات پر مفید فوائد بھی تحریر کئے ہیں۔ یہ تکملہ ۱۵۵ صفحات پر مشتمل ہے اور یہ ادارہ اشراف التحقیق والبحوث الاسلامیہ کے تحت اشاعت کے مراحل سے گزر رہا ہے۔

فهارس احکام القرآن :۔ تفسیر احکام القرآن جو فقہی، کلامی، ظاہری اور باطنی ایسے مسائل پر مشتمل ہیں جن کا قرآن حکیم سے استنباط کیا گیا ہے، جس وقت یہ تفسیر مکمل ہوئی تو شیخ مشرف علی تھانوی نے ارادہ کیا کہ ان تمام اجزاء کی ایسی فہرست مرتب کی جائے جو فقہی ابواب کی ترتیب پر مشتمل ہو، تاکہ علماء، فقہاء اور مفتی حضرات کے لئے ان سے استفادہ کرنا آسان ہو۔ اس لئے مولانا مشرف علی تھانوی کی ہدایت پر اس کے دوسرے بھائی مولانا خلیل احمد تھانوی نے درج ذیل پانچ جدول پر مشتمل ایک فہرست مرتب کی:

۱۔ جدول اول میں فقہی ابواب کی ترتیب پر اُن مسائل کے عنوانات تحریر کئے گئے ہیں جو قرآنی آیات سے نکالے گئے ہیں۔
۲۔ جدول ثانی میں جن آیات سے مذکورہ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، اُن کے نمبر اور ساتھ ہی اُن کے سورتوں کے نمبر لکھے گئے ہیں۔
۳۔ جدول ثالث میں قرآن حکیم کے منازل سبعہ کے نمبر لکھے گئے ہیں۔
۴۔ جدول رابع میں ان منازل کے جلدوں کے نمبر تحریر شدہ ہیں۔
۵۔ جدول خامس میں اس جلد کا صفحہ نمبر دیا گیا ہے جس صفحہ میں یہ مسئلہ تحریر شدہ ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی کی ہدایات کی روشنی میں لکھی جانے والی اس تفسیر کا اختصار سے جائزہ لینے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ "احکام القرآن" یا "فقہ القرآن" کے موضوع پر لکھی جانے والی تفاسیر میں یہ ایک نہایت عمدہ اضافہ ہے اور چونکہ یہ کسی ایک فرد کی علمی و فکری کاوش کا نتیجہ نہیں، بلکہ علماء مفسرین و محدثین اور فقہاء کی ایک جماعت کا تالیف کردہ ہے، اس لیے ان علماء کی طرف سے ملت اسلامیہ کے لیے یہ ایک نہایت علمی تحفہ ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے ایک ادارہ ایک نئے ترتیب سے یکجا شائع کریں، تاکہ قارئین اور محققین کے لیے اس سے استفادہ کرنا اور آسان ہو۔

حوالہ جات

۱۔ الزرکشی، محمد بن عبداللہ، البرهان فی علوم القرآن، بیروت، دار الفکر، ۱۹۸۸ء، ۲: ۹
۲۔ غازی، محمود احمد، محاضرات قرآنی، لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۰۵ء، ص ۲۰۱
۳۔ فاروقی، محمد یوسف، پیش لفظ تفسیر قرطبی (اردو ترجمہ) اسلام آباد، شریعہ اکیڈمی، ۲۰۰۳ء، ۱: xviii

۴۔ فیوض الرحمن، تعارف قرآن، لاہور، مکتبہ مدنیہ، ص ۲۶۶۔۲۶۸
۵۔ غازی، محمود احمد، محاضرات قرآنی، ص ۲۳۶، ۲۴۷
۶۔ شیخ ابو الفتاح، مقدمہ احکام القرآن، کراچی، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ، طبع ثالث ۱۴۱۸ھ، ۱/۱: الف۔د
۷۔ عثمانی، ظفر احمد، احکام القرآن، کراچی، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ، طبع ثالث ۱۴۱۸ھ، ۱/۱: ۶، ۹
۸۔ ایضاً، ۱: ۱۸، ۲۵
۹۔ محمد اکبر شاہ، بیس علماء حق، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ص ۶۳۵۔۶۵۶
۱۰۔ المائدۃ، ۵: ۱
۱۱۔ بخاری، محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب البیعان بالخیار مالم یتفرقا
۱۲۔ ترمذی، عبد الشکور، احکام القرآن، لاہور، ادارہ اشرف التحقیق و البحوث الاسلامیہ، ۱۴۲۳ھ، ۱: ۴، ۹
۱۳۔ محمود اشرف عثمانی، مفتی جمیل احمد کا انتقال ایک قرن کا اختتام، ماہنامہ البلاغ، کراچی، ۳۸: ۹، جنوری ۱۹۹۸، ص ۱۵۔۳۶، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بیس علماء حق، ۵۲۵۔۵۳۳
۱۴۔ محمد الغزالی، مقدمۃ احکام القرآن لجمیل احمد تھانوی، لاہور، ادارۃ اشرف التحقیق و البحوث الاسلامیہ، ۱۴۱۹ھ، ۱: ۴۳
۱۵۔ یونس، ۱۰: ۵۸
۱۶۔ القصص، ۲۸: ۷۶
۱۷۔ تھانوی، جمیل احمد، احکام القرآن، ۱: ۲۷۹، ۲۸۲
۱۸۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو: محمد تقی عثمانی، مقدمہ احکام القرآن، کراچی، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ، ۱: ۳۔۱۹
۱۹۔ الشعراء، ۲۶: ۱۸۲
۲۰۔ مفتی محمد شفیع، احکام القرآن، ۳: ۱۰
۲۱۔ ایضاً، ۳: ۳۳، ۹۳
۲۲۔ ایضاً، ۳: ۷۳، ۸۳
۲۳۔ ایضاً، ۳: ۱۹۳، ۱۸۳
۲۴۔ ایضاً، ۳: ۱۸۶، ۲۰۲
۲۵۔ ایضاً، ۳: ۲۰۳، ۲۹۰
۲۶۔ ایضاً، ۳: ۳۹۳، ۳۸۳
۲۷۔ ایضاً، ۳: ۳۸۲، ۳۹۵
۲۸۔ ایضاً، ۳: ۷۷، ۱۱۷
۲۹۔ ایضاً، ۳: ۲۲۵، ۲۳۶
۳۰۔ ایضاً، ۳: ۲۵۸، ۲۷۳
۳۱۔ الشعراء، ۲۶: ۱۰۹
۳۲۔ مفتی محمد شفیع، احکام القرآن، ۳: ۸

۳۳۔ الاحزاب، ۳۳: ۵۳
۳۴۔ مفتی محمد شفیع، احکام القرآن، ۳: ۳۴۰، ۳۵۴
۳۵۔ الاحزاب، ۳۳: ۵۹
۳۶۔ مفتی محمد شفیع، احکام القرآن، ۳: ۳۹۰، ۳۹۱
۳۷۔ مؤمن، ۴۰: ۳۹
۳۸۔ مفتی محمد شفیع، احکام القرآن، ۳: ۷۷، ۱۱۷
۳۹۔ الشوریٰ، ۴۲: ۴۷
۴۰۔ الزخرف، ۴۳: ۳۱، ۳۲
۴۱۔ مفتی محمد شفیع، احکام القرآن، ۳: ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۷۳، ۱۸۰
۴۲۔ بیس علماء حق، ۱۹۷۔۲۰۵
۴۳۔ کاندھلوی، محمد ادریس، احکام القرآن، کراچی، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ، طبع ثالث ۱۴۱۸ھ، ۵: ۱۲، ۱۳
۴۴۔ المجادلہ، ۵۸: ۲، ۳
۴۵۔ کاندھلوی، محمد ادریس، احکام القرآن، ۵: ۱۱، ۲۰

التفسیر: مجلس تفسیر، کراچی جلد:۹، شمارہ:۲۰، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۲ء

کیا تاریخ سے کچھ سیکھا جا سکتا ہے؟

ڈاکٹر زاہد منیر عامر
پروفیسر و صدر نشین مسند ظفر علی خان
ادارہ علوم ابلاغیات، جامعہ پنجاب، لاہور

Abstract:

William James Durant (November 5, 1885 - November 7, 1981) and his wife Ariel Durant are famous for their voluminous book The Story of Civilization. While revising ten volumes of this marvelous work, they penned down their observations about the human history in a short book captioned The Lessons of History. In this work, they made note of events and comments that might illuminate the present affairs, future possibilities, the nature of man and the conduct of states. This review article deals with this book and its two Urdu translations published from Pakistan. The author has critically appreciated the original work as well as its translations. The prejudices and shortcomings of the original work and both the translations have also been discussed at length.

نامور امریکی دانش ور ولیم جیمز ڈیورانٹ (۵ نومبر ۱۸۸۵ء.... ۷ نومبر ۱۹۸۱ء) کا نام اُن کی معروف تصانیف Story of Civilization اور The Story of Philosophy کے حوالے سے دنیا بھر میں جانا جاتا ہے۔ ول

ڈیورانٹ کی کچھ تصانیف میں اُن کی شاگرد اور اہلیہ آریل ڈیورانٹ(Ariel Durant ۱۰ مئی ۱۸۹۸ء.... ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۱ء) شریک مصنف کے طور پر شامل رہیں۔ خاص طور سے Story of Civilization (تاریخ تمدن) کی آخری پانچ جلدوں اور The Lessons of History کی تالیف میں۔[۲]

موخر الذکر کتاب دراصل مصنفین کے تاریخ تمدن کی دس جلدوں پر نظر ثانی کے دوران میں، تاریخ انسانی سے متعلق بصورت پذیر ہونے والے خیالات و افکار کا نتیجہ ہے جیسا کہ خود انھوں نے لکھا ہے کہ تاریخ تمدن کی دس جلدوں کے:
''مطالعہ کے دوران ہم ان وقوعات اور مشاہدات کو قلم بند کرتے رہے جن سے موجودہ دور کے حالات اور معاملات، نیز مستقبل کے امکانات کے علاوہ انسانی فطرت اور مملکتوں کے رویہ پر روشنی پڑ سکتی تھی''[۳]

ہمارے ہاں اس کتاب کے دو اردو تراجم اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ کراچی سے اس کتاب کا اُردو ترجمہ تاریخ کا سبق کے نام سے شائع ہوا اور دوسرا ترجمہ لاہور سے تاریخ کیا سکھاتی ہے کے نام سے شائع ہوا۔ ہم اس تحریر میں پہلے اس کتاب کے مضامین سے متعلق چند گزارشات پیش کریں گے اور پھر اس کے اردو تراجم پر۔

کتاب کا بنیادی مضمون جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے، یہ ہے کہ کیا تاریخ سے کچھ سیکھا جا سکتا ہے؟ اس سوال کے تناظر میں مصنفین کے تاریخ کے بارے میں شکوک و شبہات، تاریخ اور کرۂ ارض، تاریخ اور حیاتیات، تاریخ اور نسل، تاریخ اور کردار، تاریخ اور اخلاقیات، تاریخ اور مذہب، تاریخ اور معاشیات، تاریخ اور سوشلزم، تاریخ اور حکومت، تاریخ اور جنگ، وغیرہ موضوعات پر کلام کیا ہے۔

موجودہ دور کے تشتت، افتراق اور بے چینی کے پس منظر میں اکثر باشعور ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان نے تاریخ کے اس طویل سفر کے بعد واقعی ترقی کی منازل طے کی ہیں یا وہ معکوس سمت میں محو سفر رہا ہے؟ مصنفین نے خاص طور سے اس موضوع پر تین ابواب میں زورِ قلم صرف کیا ہے: پہلا باب جس کا عنوان Hesitations رکھا گیا ہے، بارھواں باب Growth and Decay اور تیرھواں باب Is Progress Real? اس بحث میں مصنفین تسلیم کرتے ہیں کہ تاریخ سے متعلق انسانوں کا علم ناقص، ادھورا اور قیاسات پر مبنی ہے[۴] اور یہ کہ تاریخ کو کلی تناظر میں دیکھنے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اگر کوئی ایسا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی حیثیت ایک فریب سے زیادہ نہیں ہے۔ انھیں اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ صدیوں کی تاریخ کو چند سو صفحات میں بیان نہیں کیا جا سکتا[۵] لیکن اس سب کچھ کے باوجود تاریخ جیسی کچھ بھی لکھی جا سکتی ہے اور جیسی بھی لکھی جاتی ہے، خواہ جزوی طور سے ہی سہی عبرت و موعظت کے اعتبار سے اس کی بہر حال اہمیت ہے اور ہر دور کی تاریخ کا لکھا جانا اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

انسانوں کی ترقی سے متعلق سوال دراصل انسانی تمدن کی کہانی پر غور کرنے سے جنم لیتا ہے۔ مصنفین کے خیال میں آرٹ اور تمدن کی اصل روح بے نظمی کو نظم میں ڈھالنا ہے[۶] اس اعتبار سے تاریخ انسانی پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں جا بجا نوعِ انسان کی ناکامیوں کے مزار دکھائی دیتے ہیں۔ جیسا کہ مصنفین نے بارھویں باب میں اسی سوال کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے باعث نیکی میں کسی قدر بدی سرایت کر گئی ہے، نیز ہمیں زندگی کی جو سہولتیں اور آسائشیں میسر ہیں، ان کی وجہ سے ہماری جسمانی قوت برداشت اور اخلاقی بنیادیں کمزور سی ہو گئی ہیں۔ ہم نے اپنی نقل پذیری کے وسائل کو ترقی تو دی ہے، لیکن ہم میں بعض لوگ انھیں جرائم کا ارتکاب کرنے یا اپنے ساتھ والوں کو یا خود ہمیں قتل کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔"[10]

تاہم اس کے باوجود یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ انسان نے تمدن کی صورت پذیری کی ہے۔ مصنفین اگرچہ تاریخ کو تمدن کا کھنڈر قرار دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ تمدن مرتا نہیں ہے۔[11] یہاں ہمیں ان کے اسی زاویہ نظر میں تضاد کا گمان ہوتا ہے۔ تاہم یہ تضاد اس وقت توازن آشنا ہوتا دکھائی دینے لگتا ہے جب وہ یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ تمدن پر زوال آتا ہے[11] اور یہ کہ تمدن پوری طرح تو نہیں مرتا البتہ اس پر دھیرے دھیرے زوال آتا ہے[12]

مصنفین کا کہنا ہے کہ "نسل سے تمدن نہیں بنتا بلکہ تمدن سے قوم بنتی ہے" اپنی اس بات کی مثال دیتے ہوئے کہا ہے کہ "تمدن کی تعمیر میں ایک انگریز کا اتنا حصہ نہیں جتنا خود اس کو بنانے میں تمدن کا حصہ ہے"[13] یہاں گویا وہ تمدن کو موروثی صفات کی سی ایک صفت قرار دے رہے ہیں لیکن ایک اور مقام پر تعلیم و تہذیب کے بحث میں انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ "تمدن ورثہ میں نہیں ملتا"[14]

تمدن سے قوم بننے کی بات بجا لیکن مصنفین غالباً یہ بات فراموش کر گئے ہیں کہ انقلابات کی طرح تمدن کے پس پردہ بھی اول اول ایک فرد ہی ہوتا ہے، اس لیے ہم شاید یہ نہیں کہہ سکتے کہ تمدن کی تشکیل میں فرد کا حصہ نہیں ہوتا۔ نہ صرف یہ کہ تمدن کی تشکیل میں فرد کا حصہ ہوتا ہے بلکہ تمدن کی بقا بھی افراد کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔

یہ تمدن ہی ہے جو تعلیم، سائنس، عدل اور توازن کی راہیں دکھاتا ہے اور یہی راہیں ہیں جنھیں دیکھ کر مصنفین اس مایوسی سے باہر نکلتے ہیں جو انسان کی ترقی کے حقیقی ہونے کے سوال سے پیدا ہوتی ہے۔ والٹیر Voltaire نے تاریخ کو "انسانوں کے جرائم، لغزشوں اور بدنصیبیوں کا مجموعہ" قرار دیا تھا[15] اس کے مقابلے میں مصنفین کا یہ کہنا بہت خیال انگیز ہے:

(1) "Behind the red facade of war and politics, misfortune and poverty, adultery and divorce, murder and suicide, were millions of orderly homes, devoted marriages, men and women kindly and affectionate, troubled and happy with children."(16)

اس لیے یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ تاریخ ہی حضرت انسان کی سرگزشت نہیں ہے، اس داستان گفتہ کے مقابلے میں داستان ہائے ناگفتہ بھی انسان کی روداد یں تھیں اور ان کا گراف اس داستان گفتہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ و بلند ہوگا۔
اس لیے مصنفین کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ لغزشوں بدنصیبیوں اور جرائم کے مقابلے میں انسانوں کی نیک طینتی کی تاریخ

لکھنے کی بھی ضرورت ہے۔

"Who will dare to write a history of human goodness." (17)

جس طرح تاریخ سے سیکھے جانے والے سبق کے حوالے سے مصنفین کے ہاں ایک متوازن زاویہ نظر کا سراغ ملتا ہے اسی طرح بعض دیگر مباحث میں بھی متوازن زاویہ نظر کی مثالیں دکھائی دیتی ہیں مثلاً انسانی زندگی میں انھوں نے جہاں بغاوت کی اہمیت اجاگر کی ہے وہاں روایت اور قدامت کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ اسی طرح مشرق اور مغرب کے معاشی نظاموں کا موازنہ کرتے ہوئے تسلیم کیا ہے کہ نہ تو مکمل سرمایہ دارانہ نظام ہی انسانوں کے لیے پیام مسرت لاتا ہے اور نہ سوشلزم ہی ان کے لیے کلید کامیابی ہے، سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام خواہ ایک دوسرے کے خوف سے ہی سہی بالآخر ایک معتدل نظام کی طرف بڑھیں گے۔

(2) "The fear of capitalism has compelled socialism to widen freedom, and the fear of socialism has compelled capitalism to increase equality. East is West and West is East, and soon the twain will meet." (18)

اسی انداز نظر کے ساتھ بعض مقامات پر مصنفین کے دوہرے معیاروں نے دلچسپ صورت حال پیدا کر دی ہے، مثلاً رابرٹ مالتھس (Thomas Robert Malthus 1766-1834) نے اٹھارویں صدی کے آخر میں دنیا کو آبادی کے "خطرے" سے ڈرایا تھا اس کا خیال تھا کہ اگر آبادی پر بندشیں عاید نہ کی گئیں تو وہ دن دور نہیں جب شرح اموات کے مقابلے میں شرح پیدائش میں اتنا زبردست اضافہ ہو جائے گا کہ کھانے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے مقابلے میں غذا کی پیداوار میں اضافے کی شرح صفر کے برابر رہ جائے گی۔[19]
مصنفین تسلیم کرتے ہیں کہ انیسویں صدی ہی میں حقائق و واقعات نے مالتھس کے تصور کی نفی کر دی اور اس دور میں "انگلستان، امریکہ، جرمنی اور فرانس میں غذا کی رسد شرح پیدائش سے ہم آہنگ رہی۔"

"the food supply kept pace with birth." (20)

صرف یہی نہیں مصنفین اس حقیقت کا بھی انکار نہیں کرتے ہیں کہ شرح پیدائش بھی جنگ کی طرح ادیان و مذاہب کی قسمتوں کے لیے فیصلہ کن ثابت ہوئی ہے۔

So the birth rate, like war, may determine the fate of theologios. (21)

اور انھیں مسئلے کے حقیقی حل کا بھی اندازہ ہے جس کی طرف انھوں نے یوں اشارہ کیا ہے کہ اگر زراعت سے متعلق معلومات عام کر دی جائیں تو ہمارا یہ کرۂ ارض اپنی موجودہ آبادی سے دو چند باشندوں کو کھلانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

If existing agricultural knowledge were everywhere applied,

the planet could feed twice its present population. (22)

لیکن اس سب کچھ کے باوجود وہ انسان دوستی کے نام پر یہ کہتے ہیں کہ مانع حمل ادویات اور تدابیر اور ان سے متعلق معلومات کو نشر و اشاعت کے ذریعہ جگہ جگہ پہنچایا جائے۔

(3) It will be a counsel of humanity to disseminate the knowledge and means of contraception. (23)

مسئلے کی سنگینی سے انکار ممکن نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ انگلستان، امریکہ، جرمنی اور فرانس میں مسئلے کا جو حل سامنے آچکا ہے۔ دوسرے ممالک کے لیے بھی اسی راہ کو اختیار کرنے اور اسی سمت میں آگے بڑھنے کی تلقین کیوں نہیں؟ خواہ ایسا کسی ''اگر'' (If) سے وابستہ کر کے کہا جائے یا کسی "Until" سے، اس پر اہل یورپ و امریکا کے دوسری دنیا کے لیے دوہرے معیاروں کا گمان کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

اپنے بہت سے ہم وطنوں کی طرح تاریخ کو ایک بڑے تناظر میں دیکھنے کے باوجود مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں مصنفین کے تحفظات، ان کے تعصبات بن کر ابھرے بغیر نہیں رہ سکے ہیں، ان کے خیال میں یورپ ہی دراصل تاریخ عالم ہے۔ مسلمانوں کی روشن اور طویل تاریخ ان کے اس منظرنامے میں کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ اسلام اور مسلمانوں کا کہیں تذکرہ ہے بھی تو ایک سابق یا موجود خطرے کی حیثیت سے:

'سابق' کے لیے تو کتاب کے وہ مقامات ملاحظہ فرمائے جائیں جہاں ۷۳۲ء کی جنگ طورس (Tours.) کا تذکرہ ہے (تیسرا اور گیارہواں باب) فتح اندلس کے بعد پیش قدمی کرتے کرتے عرب، مغربی فرانس کے اس شہر تک پہنچ گئے تھے جہاں امیر اندلس السمح اور شاہ فرانس چارلس مارٹل (Charles Martel) میں مقابلہ ہوا لیکن مسلمان کامیاب نہ ہو سکے۔ مصنفین، مسلمانوں کی اس شکست پر اظہار مسرت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"... Kept France and Spain from replacing the Bible with the Koran." (24)

مستقبل کے حوالے سے ابھرتے ہوئے مشرق کا تذکرہ مغرب کے لیے ایک خطرے کی ہی حیثیت سے کیا گیا ہے۔

(4) "Menwhile the effort to meet the challenge of the rising East may reinvigorate the West. (25)

اسلام سے متعلق مصنفین کی لاعلمی یا تعصب کا بدترین مظہر وہ جملہ ہے جس میں انھوں نے قرآن کریم کے بیشتر حصے کو یہودیت سے ماخوذ قرار دے ڈالا ہے۔ ۲۶

یہ وہ مقام ہے جہاں آکر مصنفین کی ساری غیر جانبداری، توازن اور دنیا کو معروضی زاویہ نظر سے دیکھنے کی مساعی ناکام ہو جاتی ہیں۔

قرآن کریم پر یہ اعتراض نیا نہیں اس کا آغاز ان جہلائے عرب سے ہوتا ہے جنھوں نے کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے شام کے تجارتی سفر میں راہب بحیرا سے ملاقات میں یہودی علوم سیکھ لیے تھے جنھیں وہ اب وحی و الہام کہہ کر بیان کرتے ہیں اس پر مستزاد بعض آزاد شدہ غلاموں کے نام بھی لیے جاتے تھے جو اہل کتاب اور پڑھے لکھے تھے (مثلاً عداس یسار، جبر وغیرہ) کہ رسول اللہ ان سے یہودی علوم سیکھتے ہیں۔ دراں حالیکہ سفر شام کے وقت آپ کی عمر بارہ تیرہ برس تھی اور آزاد کردہ غلاموں سے کچھ سیکھ کر آگے بیان کر دینے کی بات محض ایک بچگانہ الزام ہے جس کی حقیقت پر مفسرین نے تفسیروں میں تفصیل سے کلام کیا ہے، فاضل مترجم نے بھی اس کتاب کے ضمیمے میں بہت سلیقے سے ان الزامات کی قلعی کھولی ہے۔ ہم اس جاہلانہ اور متعصبانہ رائے پر خود قرآن کریم کا جواب پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ حق بین نگاہوں کے لیے وہی کافی و شافی ہے۔

۱۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ۝ وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) من گھڑت باتیں ہیں جو اس (مدعی رسالت) نے بنالی ہیں اور لوگوں نے اس میں اس کی مدد کی ہے یہ لوگ (ایسا کہنے سے) ظلم اور جھوٹ پر (اتر) آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے جمع کر رکھا ہے اور وہ صبح و شام اس کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، کہہ دو کہ اس کو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے'' ۲۷

۲۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ۝

اور ہمیں معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) کو ایک شخص سکھا جاتا ہے مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔'' ۲۸

اب ہم اس کتاب کے باوہاب صاحب کے کیے ہوئے ترجمے موسومہ تاریخ کا سبق سے متعلق اپنی گزارشات پیش کرتے ہیں:

کتاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم صاحب انگریزی سے اردو ترجمے کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں اور وہ اس کتاب سے پہلے انسان، اسلام اور مغربی مکاتب فکر (ڈاکٹر علی شریعتی) انتظام کاری کے اصول و مبادی (ہنری فیول) اسلامی عمرانیات۔ ایک تعارف (الیاس بابونس) وغیرہ اردو تراجم، اردو دنیا کے سامنے پیش کر چکے ہیں چنانچہ ان کے کیے ہوئے اس ترجمے کی زبان رواں اور مضمون پر گرفت مضبوط ہے۔ بعض مقامات پر عمدہ اور فنی اعتبار سے مکمل متبادلات ترجمے کے اعتبار میں اضافہ کر رہے ہیں مثلاً رافت و رحمت ۲۹ ذریات ۳۰ باقی ۳۱ اختبارات ۳۲ الملپ ۳۳ آذوقہ ۳۴ وغیرہ فاضل

مترجم نے Routene کا ترجمہ ''معمولاً'' کیا ہے ۳۵ وغیرہ یہ ایرانی فارسی کا لفظ ہے اردو میں ابھی یہ لفظ نامانوس ہے۔ اردو میں اس اظہار کے لیے ''عام طور سے'' کے الفاظ زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب نے اس ترجمے کے تعارف میں لکھا ہے کہ ''باوہاب صاحب نے انگریزی متن کا لفظی ترجمہ کیا ہے...... میں نے انگریزی متن کے کئی صفحات کا اردو ترجمے سے مقابلہ کیا تو یہ بات واضح ہوئی کہ کتاب کی روح اردو ترجمے میں اچھی طرح در آئی ہے۔'' ۳۶

جہاں تک ڈاکٹر صاحب کی دوسری بات کا تعلق ہے تو اس میں کلام نہیں کہ کتاب کی اصل روح مترجم کی گرفت میں رہی ہے اور انھوں نے مصنفین کے مدعا کو عمدگی کے ساتھ اردو کے قارئین تک پہنچایا ہے۔ بلاشبہ یہ بڑی کامیابی ہے البتہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مترجم نے ''انگریزی متن کا لفظی ترجمہ کیا ہے'' ہمیں اس سے اتفاق نہیں، ہمارا اختلاف اس وجہ سے نہیں کہ محض لفظی ترجمہ بعض صورتوں میں بقول علامہ اقبال:

''ادبی اعتبار سے بے سود بلکہ مضر'' ہوتا ہے ۳۷ بلکہ جہاں تک ہم نے اس ترجمے کا ول ڈیورانٹ واریئل ڈیورانٹ کی اصل کتاب The Lessons of History سے موازنہ کیا تو ہمیں نہ صرف یہ کہ یہ ترجمہ لفظی نہیں معلوم ہوا بلکہ بہت حد تک تشریحی اور توضیحی ترجمہ معلوم ہوا ہے اس حد تک، جہاں پہنچ کر ترجمے کی حدود ختم اور شرح و تفسیر کی حدود شروع ہو جاتی ہیں۔ چند مثالیں اس بات کو زیادہ بہتر طور سے واضح کر سکتی ہیں۔

ہم نے اپنی اس تحریر میں، کچھ پہلے تمدن کی بحث میں انگریزی متن کے صفحہ ۴۱ کا جو اقتباس پیش کیا ہے (انگریزی اقتباس نمبر ایک) قارئین کرام اس اقتباس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

جنگوں اور سیاسی واقعات، غربت و فلاکت، بدکاری اور طلاق نیز قتل اور خودکشی کی حکایتوں پر رنگ آمیزی کے جو پردے پڑے ہیں، اگر ان کے پیچھے نظر ڈالی جائے تو لاکھوں کروڑوں گھرانے ایسے ملیں گے جو امن و سکون کا گہوارہ رہے ہوں، ایسی شادیوں کا بیان ملے گا جن میں میاں بیوی وفا شعاری کے ساتھ ایک دوسرے پر جان دیتے ہوں۔ لوگوں کا باہمی سلوک محبت آمیز رہا ہو اور وہ ایک دوسرے کے لیے رافت و رحم کا مظاہرہ کرتے رہے ہوں نیز اپنے اہل و عیال کی خاطر تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے خوش و خرم زندگی گزاردی ہو۔ ۳۸

اس اقتباس میں ''رنگ آمیزیوں کے پیچھے'' کی بجائے ''رنگ آمیزی کے جو پردے پڑے ہوئے ہیں اگر ان کے پیچھے نظر ڈالی جائے'' ''لاکھوں منظم یا پر امن خاندان'' کی بجائے ''لاکھوں کروڑوں گھرانے ایسے ملیں گے جو امن و سکون کا گہوارہ رہے ہوں'' ''کامیاب شادیوں اور وفا آشنا زن و شوہر کی بجائے ''ایسی شادیوں کا بیان ملے گا جن میں میاں بیوی وفا شعاری کے ساتھ ایک دوسرے پر جان دیتے ہوں''

وغیرہ کو کیا لفظی ترجمہ کہا جا سکتا ہے؟

انگریزی متن میں پانچویں باب کا آغاز اس طرح ہو رہا ہے:

(5) Society is founded not on the ideals but on the nature of man, and the constilution of man rewrites the constitutions of states. (39)

اردو ترجمہ:

کوئی بھی معاشرہ تصورات کی بنیاد پر نہیں بلکہ فطرت انسانی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اور انسان کی فطرت جیسی کچھ بھی ہوتی ہے وہی ملکوں کے آئین و دساتیر کی تشکیل کرتی ہے'' ۴۰

اس اقتباس میں ''کوئی بھی'' اور ''جیسی کچھ بھی ہوتی ہے وہی'' کے ٹکڑے واضح طور پر ترجمے کے لفظی ترجمہ ہونے کے خیال کی تردید کر رہے ہیں اسی سلسلہ کلام میں آگے چل کر انگریزی متن میں ''بہت سوں کو'' کا اضافہ کیا گیا ہے اور اس جملے:

(6) But how far has human nature changed in the course of history." (41)

کا ترجمہ: ''لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کی تاریخ میں انسان کی فطرت کتنی مرتبہ بدلتی رہی ہے'' ۴۲

اب اس ترجمے میں ''لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ'' ''کتنی مرتبہ'' اور ''رہی'' اسی طرح بعض مقامات پر ''کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ۴۳ قسم کے ٹکڑے متن پر ایزاد کیے گئے دکھائی دیتے ہیں، یہ تمام شواہد مترجم کی مہارت کے دلائل تو ہو سکتے ہیں لیکن ترجمے کے لفظی ہونے کے ہرگز نہیں۔

بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں شرح و توضیح کے اس عمومی رویے کے باوجود مصنفین کی بات واضح نہیں ہو گی اور ترجمہ ابہام کا شکار ہو گیا ہے مثلاً:

(7) Would we rather have lived under the laws of the Athenian Republic or the Roman Empire than under Constitutions that give us habeas corpus, trial by jury, religious and intellectual freedom and the emanicipation of women? (44)

ترجمہ: ''کیا ہم یونان کی جمہوریتوں یا سلطنت روما کے قوانین کے تحت زندگی بسر کرنا پسند کریں گے بمقابلہ ان دساتیر و آئین کے جن کی بدولت ہمیں عدالت کا پروانہ یعنی ہے۔ پی آس کار پس جیوری کے تحت مقدمہ کی کارروائی، مذہبی اور ذہنی آزادی نیز خواتین کی آزادی جیسی نعمتیں میسر ہیں۔ ۴۵

بعض مقامات پر ترجمہ گنجلک ہو گیا ہے مثلاً:

(8) But if undertakers are miserable progress is real.(46)

کا ترجمہ: لیکن اگر تجہیز و تکفین کے منتظمین پریشانی میں مبتلا ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ترقی حقیقی ہے۔ [۴۷]

بعض مقامات پر غیر ضروری تکلف سے ترجمے کا حسن متاثر ہوا ہے مثلاً: مترجم صاحب نے Saint کے لیے ''سنت اور پیر قسم کے لوگ'' [۴۸] کے الفاظ استعمال کیے ہیں اول تو انگریزی کے ہی لفظ کو اردو میں نامکمل لکھا گیا اور اس پر ''پیر قسم کے لوگ'' کا اپنی طرف سے اضافہ کیا گیا جب کہ اس کے لیے مذہبی لوگ یا مذہبی راہنما کی تراکیب بآسانی استعمال کی جا سکتی تھیں۔

بعض مقامات پر مترجم صاحب نے انگریزی اصطلاحات کے جو متبادل اختیار کیے ہیں ان کے لیے اپنے دلائل کی صراحت متن ہی میں ذرا خفیف قلم سے کر دی گئی ہے مثلاً انھوں نے [۴۹] Humanism کا ترجمہ انسیات کیا ہے اور جس مقام پر یہ ترجمہ آیا ہے (ص ۴۶) وہاں متن ہی میں توسین میں یہ عبارت بھی درج کر دی ہے (Humanism کا ترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے بھی انسیات ہی کیا ہے) [۵۰]

اس ضمن میں گزارش ہے کہ:

(i) کسی ماقبل مترجم کے ترجمہ کو سند بنانے کی بجائے مترجم صاحب کو اس لفظ کے انتخاب کے لیے اپنے دلائل دیے جانے چاہئیں۔

(ii) اس نوعیت کی وضاحتیں حاشیے یا مقدمے یا ضمیمے میں ہونی چاہئیں متن اس کے لیے ہرگز موزوں نہیں۔

(iii) تاریخ فلسفہ حاضر ڈاکٹر ویبر کی کتاب کا نہیں، اس کے اردو ترجمے کا نام ہے۔ اصل کتاب کا نام History of Philosophy ہے جو ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی تھی بعد ازاں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ [۵۱]

مترجم نے حرف آغاز میں ول ڈیورانٹ کی متعدد کتابوں کے اردو تراجم اور مترجمین بلکہ ناشرین کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ان کے حرف آغاز سے اور ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کے تعارف سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ *The Lessons of History* کا بھی پہلے کوئی اردو ترجمہ ہوا ہے یا نہیں...... (شاید وہ اس سے باخبر نہیں ہیں)

جب کہ باوہاب صاحب سے پہلے بھی یہ کتاب اردو میں ترجمہ ہو چکی ہے، یہ ترجمہ ظفر الحسن پیرزادہ صاحب نے تاریخ کیا کہتی ہے کے عنوان سے کیا تھا جو باوہاب صاحب کے ترجمے سے چھ برس پہلے شائع ہو چکا تھا۔ [۵۲]

یہ بھی اپنے انداز کا ایک اچھا ترجمہ ہے، ہم نے جہاں تک اصل متن اور باوہاب صاحب کے ترجمے سے پیرزادہ صاحب کے کیے ہوئے اس ترجمے کا موازنہ کیا تو معلوم ہوا کہ باوہاب صاحب کے ترجمے کے عین برعکس یہ ترجمہ ہر ہر ورق پر ایجاز و اختصار کی خوبی لیے ہوئے ہے۔ وہی خوبی جو خود ول ڈیورانٹ کے اسلوب کا خاصہ ہے۔ مثالوں کے لیے نئے اقتباسات کا ڈھیر لگانے کی بجائے ہم خواندگان کرام کی خدمت میں، ظفر الحسن پیرزادہ صاحب کے کیے ہوئے، انھی اقتباسات کے تراجم پیش کرتے ہیں جو وہ قبل ازیں باوہاب صاحب کے ترجمے کے ضمن میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

جن انگریزی اقتباسات کے ساتھ باوہاب صاحب کا ترجمہ پہلے درج نہیں کیا گیا ان کے ساتھ باوہاب صاحب کا ترجمہ بھی درج کیا جا رہا ہے تاکہ دونوں تراجم کے موازنے میں آسانی ہو سکے۔ یہاں انگریزی متن کے جن اقتباسات کے

ابتدائی الفاظ نقل کیے گئے ہیں وہ اقتباسات ہماری اسی تحریر میں پہلے درج کیے جا چکے ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لیے ان کے ابتدائی الفاظ درج کیے جا رہے ہیں۔ سلسلہ نمبر وہی ہے جو پہلے منقول اقتباسات کے ساتھ درج ہے۔

(1) Behind the red facade. (53)

باوہاب:

جنگوں اور سیاسی واقعات، غربت و فلاکت، بدکاری اور طلاق نیز قتل اور خودکشی کی حکایتوں پر رنگ آمیزی کے جو پردے پڑے ہیں اگر ان کے پیچھے نظر ڈالی جائے تو لاکھوں کروڑوں گھرانے ایسے ملیں گے جو امن و سکون کا گہوارہ رہے ہوں، ایسی شادیوں کا بیان ملے گا جن میں میاں بیوی وفاشعاری کے ساتھ ایک دوسرے پر جان دیتے ہوں، لوگوں کا باہمی سلوک محبت آمیز رہا ہو اور وہ ایک دوسرے کے لیے رافت و رحم کا مظاہرہ کرتے رہے ہوں نیز اپنے اہل و عیال کی خاطر تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے خوش و خرم زندگی گزار دی ہو۔ [۵۴]

پیرزادہ:

''جنگ اور سیاست، بدنصیبی و غربت، بدکاری اور طلاق، قتل اور خودکشی کے، تاریخ میں پیش کردہ، ہولناک مناظر کے پیچھے لاکھوں پر امن خاندان، وفاشعار زن و شوہر، مہربان و شفیق والدین اپنے بچوں کے دکھ سکھ سمیت موجود رہے تھے۔ [۵۵]

(2) The fear of capitalism........ (56)

باوہاب:

''اشتراکیت چونکہ سرمایہ داری سے خوف زدہ ہے لہٰذا وہ مجبور ہے کہ انفرادی آزادی کا دائرہ وسیع تر کرے اور سرمایہ داری کو اشتراکیت کا خوف دامن گیر ہے لہٰذا وہ بھی مجبور ہے کہ معاشرہ میں زیادہ سے زیادہ عدل و مساوات کو رواج دے۔ سچ تو یہ ہے کہ مشرق مغرب بھی ہے اور مغرب مشرق بھی ہے۔ بس اس کا امکان ہے کہ دونوں بہت جلد باہمی اتحاد کے رشتہ میں منسلک ہو جائیں'' [۵۷]

پیرزادہ:

''نظام سرمایہ داری کے خوف سے سوشلزم لوگوں کو زیادہ آزادی دینے پر مجبور ہو گیا ہے جب کہ سوشلزم کے ڈر سے سرمایہ داری نظام مساوات بڑھانے پر مجبور ہے۔ اب مشرق، مغرب بن گیا ہے اور مغرب مشرق میں بدل گیا ہے جلد ہی دونوں ایک ہو جائیں گے'' [۵۸]

(3) It will be a counsel............(59)

باوہاب:

''انسان دوستی کا تقاضا یہی ہے کہ مانع حمل ادویات اور تدابیر اور ان سے متعلقہ معلومات

کو نشر و اشاعت کے ذریعے جگہ جگہ پہنچا دیا جائے''۶۰

پیرزادہ:

''آبادی میں اضافہ روکنے کے لیے ضبطِ تولید کی تعلیم اور اس کے ذرائع کی اشاعت انتہائی ضروری اور احسن کام ہے''۶۱ (یہاں متن کی رُو سے انتہائی ضروری اور احسن کام'' کی بجائے ''انسان دوستی کا تقاضا'' زیادہ بہتر تھا)

(4) Menwhile the effort .... (62)

باوہاب:

''اس اثنا میں مشرق کے بڑھتے ہوئے چیلنج کے مقابلے کی کوششیں مغرب میں نئی روح پھونک دیں''۶۳

پیرزادہ:

''اسی دوران ممکن ہے کہ ابھرتے ہوئے مشرق کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کی کوشش میں مغرب ایک بار پھر توانائی حاصل کرے''۶۴

Challenge of the rising East. کا ترجمہ ''مشرق کے بڑھتے ہوئے چیلنج'' کی بجائے، ابھرتے ہوئے مشرق کے چیلنج ہی ہونا چاہیے تھا۔

(5) Society is founded not on the ......(65)

پیرزادہ:

''معاشرہ تخیلات کی بجائے انسانی فطرت کے مطابق استوار ہوتا ہے اور قومیں بھی انسانی فطرت و ساخت کے مطابق ہی تشکیل پاتی ہیں''۶۶

(6) But how far has .... (67)

پیرزادہ:

''کیا تاریخ کے دھارے کے ساتھ انسانی فطرت میں کسی حد تک تبدیلی آتی ہے''۶۸

(7) Would we rather have ...... (69)

پیرزادہ:

''کیا ہم ان دساتیر کے تحت رہنے کی بجائے جو ہمیں حبس بے جا کے خلاف قانونی کارروائی، جیوری کے ذریعے مقدمہ کی سماعت، مذہبی اور ذہنی آزادی اور خواتین کی آزادی جیسے حقوق عطا کرتے ہیں، یونانی جمہوریہ یا رومی سلطنت کے قوانین کے تحت رہنا پسند کریں گے''۷۰

(8) But if undertakers are ....(71)

پیرزادہ:

''لیکن اگر گورکن بدحال ہوں تو ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ حقیقتاً ترقی ہو رہی ہے''۷۲

مندرجہ بالا اقتباسات کے باہم موازنے سے دونوں مترجمین کے انداز و اسلوب کا فرق بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ اس موازنے سے نہ صرف ہمارے اس تجزیے کی تائید ہوتی ہے کہ پیرزادہ کا ترجمہ ایجاز و اختصار اور باوہاب کا ترجمہ اطناب و تفصیل کا نمونہ ہے وہاں باوہاب صاحب کے ترجمے کے دیگر محاسن و معائب بھی روشن ہو جاتے ہیں۔

انداز و اسلوب اور اختصار و تفصیل کے اس اختلاف سے قطع نظر ایک اور اہم بات دونوں مترجمین کو ایک دوسرے سے جدا کر رہی ہے: وہ یہ کہ پیرزادہ صاحب مصنفین سے اس قدر متاثر ہیں کہ ان کے خیال میں مصنفین کی ''علمیت، بالغ نظری اور تحقیقی رویے سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں'' ہے۷۳ جب کہ باوہاب صاحب نے زیرِ ترجمہ کتاب اور اس کے مصنفین کے رویوں کو تنقیدی نظر سے بھی دیکھا ہے۔ مصنفین نے اپنے دیباچے میں اس کتاب کو انسانی علم اور تجربے کا ایک جائزہ قرار دیا ہے۷۴ جب کہ درحقیقت یہ صرف یورپ اور یونان کے علوم و تجربات کا جائزہ ہے جس میں اسلام، تاریخِ اسلام اور مسلم مفکرین اور دنیا کے دیگر خطوں، مذہبوں اور مفکرین اور ان سب کی خدمات کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا ہے چنانچہ باوہاب صاحب نے بجا طور سے اس دعوے پر گرفت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کتاب میں:

''انسانی تجربات کے بیشتر حصہ کی حد تک زمانی اور مکانی اعتبار سے بھی شاید دانستہ اغماض برتا گیا ہے۔''

مزید یہ کہ:

''تنوع کے اعتبار سے بھی یہ جائزہ ادھورا، نامکمل، غیر تشفی بخش نہیں بلکہ ناقص بھی ہے''۷۵

صرف یہی نہیں باوہاب صاحب نے کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ شامل کیا ہے جس میں مصنفین کے قابلِ گرفت خیالات پر بہت عمدگی سے گرفت کی گئی ہے خاص طور سے نزولِ قرآن کے حوالے سے مصنفین کی ہرزہ سرائی کا بہت عمدہ اور مفصل جواب فراہم کیا گیا ہے۔ جو قارئین اس کتاب کا مطالعہ کریں انھیں چاہیے کہ وہ اس کے ساتھ باوہاب صاحب کے اس ضمیمے کو بھی ضرور نظر میں رکھیں ضمیمے کے علاوہ اس ترجمے کی ایک خصوصیت ''تشریحات و شخصیات'' کے عنوان سے ایک باب کا اضافہ ہے جس میں، متن میں مذکور تلمیحات، اشارات اور شخصیات سے متعلق، ابواب کی ترتیب سے، تفصیلات فراہم کر دی گئی ہیں، آخر میں انگریزی متن کی طرح اشاریہ بھی شامل کیا گیا ہے جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

اصل متن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصنفین نے جابجا استنادی حواشی کا اہتمام بھی کیا ہے، اگرچہ ان میں سے بیشتر حوالے خود History of Civilization کی مختلف جلدوں سے ماخوذ ہیں تاہم یہ حوالے ایسے نہیں ہیں جنھیں نظرانداز کر دیا جائے لیکن تعجب ہے کہ دونوں مترجمین نے ان استنادی حواشی کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے، ان حواشی کو ترجمے میں درج نہ کرنے سے بہت سے اقتباسات اور منقول اقوال مجہول ہو کر رہ گئے ہیں۔ پیرزادہ صاحب کے ترجمے میں متن کے آخر میں ستائیس (۲۷)

حوالے دیے گئے ہیں جب کہ اصل متن میں تیرہ ابواب کے ۹۷ حوالے دیے گئے ہیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ باوہاب صاحب نے مصنفین کی دی ہوئی وہ فہرست کتب (Guide to Books) تو اپنے ترجمے کے آخر میں شامل کی ہے جس میں حواشی میں استعمال ہونے والی کتابوں سے متعلق تفصیلات فراہم کی گئی ہیں جب کہ حواشی حذف کر دیے ہیں پیرزادہ صاحب نے کتابوں کی یہ فہرست بھی ترجمہ میں شامل نہیں کی۔

باوہاب صاحب کے ترجمے کی پروف خوانی بظاہر اہتمام سے کی گئی ہے، آخر میں، رہ جانے والی اغلاط کی تصحیح کے لیے ایک اغلاط نامہ بھی لگایا گیا ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ باوجود کوشش کے پھر بھی پروف کی اغلاط رہ جاتی ہیں، یہ اشاعت بھی اردو کتابوں کے اس معمولی سے مستثنیٰ نہیں ہے اور اس میں Ariel کا نام ہر جگہ Aricl کامیابیوں، کامیابیوں ۶ے آذوق، آزوق ۷ے حال، حال حال ۸ے اخوار، خوار ۹ے انکار، انکارہ ۸۰ے مجامعت، مجامت ۸۱ے بے زاری، بے زارگی ۸۲ے انکسار، انکساری ۸۲ے روزمرہ، روزمردہ ۸۳ے اطالیہ، اطالیہ ۸۴ے ق م۔ ق ق ۸۵ے المطلب، علی المطلپ ۸۶ے مناقشات، مناقشات ۸۷ے فلبرٹ، فبلرٹ ۸۸ے لدادہ، دالدادہ ۸۹ے ماتحتی، ماتحتی ۹۰ے سنہ، سن ۹۱ے ترقی، ترتی ۹۲ے برقرار، براقرار ۹۳ے Thirty ۹۴ے Thiry بن گئے ہیں جیمز واٹ کے سنین ولادت و وفات بالترتیب ۱۷۳۶ء.....۱۹۱۷ء ۹۵ے لکھے گئے ہیں جن میں یقیناً کچھ تسامح ہوا ہے۔

آخر میں دو فنی گزارشات اور پھر خوانندگان کرام سے رخصت:

اول: کتاب تاریخ کا سبق میں ابواب کے اختتام پر جہاں جہاں کچھ جگہ بچ رہی تھی وہاں مترجم کی بعض دوسری کتابوں کے اشتہار شائع کر دیے گئے ہیں۔ یہ رسالوں کا طریق کار ہے کتابوں میں ایسا کرنے سے، کتاب کی زیبائی متاثر ہوتی ہے۔ دوم: کتاب کی جلد بندی کے لیے سلائی کی بجائے، کتاب کے اجزا کو پشت سے کاٹ کر گوند (Gum) سے جوڑا گیا ہے۔ ہماری جملہ ناشرین سے درخواست ہے کہ براہ کرم اس طریق تجلید کو اختیار نہ کیا جائے، اس سے کتاب، پہلے مطالعے کے دوران ہی ورق ورق ہو کر بکھر جاتی ہے۔

اس طویل گفتگو کے آخر میں اگرچہ "بحرفی می توان گفتم تمنای جہانی را" کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے لیکن جو کچھ کہا گیا ہے اس کی بنیاد ذوق حضوری پر نہیں اظہار ضروری پر تھی۔

حوالے اور حواشی

۱۔ The Story of Civilization, Will Durant, New York: Simon and Schuster, 1942

۲۔ The Lessons of History, Will and Ariel Durant, New York: Simon and Schuster, Reproduced by National Book Foundation Pakistan 1988, P-8

۳۔ Ibid P-7

۴۔ تاریخ کا سبق از ول ڈیورانٹ و ایریل ڈیورانٹ، مترجم محمد بن علی باوہاب، کراچی یونائیٹڈ بک کارپوریشن دسمبر ۱۹۹۹ء، تاریخ کیا سکھاتی ہے مترجم ظفر الحسن پیرزادہ، لاہور/ روہتاس بکس، احمد چیمبرز ۵ ٹمپل روڈ جنوری ۱۹۹۰ء

۵۔ To begin with, do we really know what the past was, what actually happened, or is history "a fable" not quite "agreed upon"? Our knowledge of any past event is always incomplete, probably inaccurate, beclouded by ambivalent evidence and biased historians, and perhaps distorted by our own patriotic or religious partisanship. The Lessons of History, P-11,12

۶۔ Ibid P-13

۷۔ تاریخ کا سبق ص ۱۳۲   ۸۔ ایضاً ص ۱۱۹   ۹۔ ایضاً ص ۱۰۸

۱۰۔ ایضاً ص ۱۱۷   ۱۱۔ ایضاً ص ۲۸   ۱۲۔ ایضاً ص ۳۶

۱۳۔ ایضاً ص ۳۲   ۱۴۔ ایضاً ص ۱۲۷

۱۵۔ "A collection of the crimes, follies and misfortunes."

The Age of Voltaire P.64 cf The Lessons of History, P-40,41

۱۶۔ The Lessons of History, P-41

۱۷۔ Ibid P-41

۱۸۔ Ibid P-67

۱۹۔ دیکھیے پروفیسر ڈاکٹر چوہدری عبدالقادر کی کتاب رابرٹ مالتھس اور اس کی تعلیمات لاہور، ادارۂ تالیف و ترجمہ پنجاب یونیورسٹی، جون ۱۹۸۳ء باب دوم (آبادی کے اشتراکیہ کا تجزیہ) اور باب دہم (خاتمہ اور جائزہ)

۲۰۔ The Lessons of History, P-22

۲۱۔ Ibid P-23,24   ۲۲۔ Ibid P-22

۲۳۔ The Lessons of History, P-22

۲۴۔ Ibid P-24   ۲۵۔ Ibid P-100

۲۶۔ تاریخ کا سبق ص ۴۹   ۲۷۔ الفرقان ۹-۸

۲۸۔ النحل ۱۰۳   ۲۹۔ تاریخ کا سبق ص ۲۸

۳۰۔ ایضاً ص ۱۲۶   ۳۱۔ ایضاً ص ۱۰

۳۲۔ ایضاً ص ۴۰   ۳۳۔ ایضاً ص ۵۷

۳۴۔ ایضاً ص ۴۰   ۳۵۔ ایضاً ص ۳۶، ۳۹، ۴۲

۳۶۔ ایضاً ص ۳   ۳۷۔ خطبات علامہ سید تمکین کاظمی لاہور، ۱۳ ستمبر ۱۹۲۸ء

۳۸۔ تاریخ کا سبق ص ۲۷، ۲۸   ۳۹۔ The Lessons of History, P-32

۴۰۔ تاریخ کا سبق ص ۳۶   ۴۱۔ The Lessons of History, P-32

۴۲۔ تاریخ کا سبق ص ۳۶   ۴۳۔ ایضاً ص ۴۷

۴۴۔ The Lessons of History, P-99

۴۵۔ تاریخ کا سبق ص ۱۲۵   ۴۶۔ The Lessons of History, P-99

۴۷۔ تاریخ کا سبق، ص ۱۲۳ ۴۸۔ ایضاً، ص ۳۲ ۴۹۔ ایضاً، ص ۳۶

۵۰۔ ملاحظہ ہو History of Philosophy By; Alfred Weber کا ترجمہ تاریخ فلسفہ از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، مطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالیہ حیدرآباد دکن۔ جو ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا۔

۵۱۔ اصل کتاب فرانسیسی زبان میں ہے جس کا انگریزی ترجمہ Prof. Frank Thilly نے کیا اور ۱۹۰۸ء میں University of Strasburg سے شائع ہوا بعد ازاں بھی یہ کتاب متعدد بار شائع ہوئی۔ ایک عالیہ اشاعت ۲۰۱۲ء میں سامنے آئی ہے۔

۵۲۔ مطبوعہ لاہور جنوری ۱۹۹۰ء دیکھیے حوالہ نمبر ۳ ۵۳۔ The Lessons of History, P-41

۵۴۔ تاریخ کا سبق، ص ۳۷، ۳۸ ۵۵۔ تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۳۵

۵۶۔ The Lessons of History, P-67

۵۷۔ تاریخ کا سبق، ص ۸۲ ۵۸۔ تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۷۹

۵۹۔ The Lessons of History, P-22

۶۰۔ تاریخ کا سبق، ص ۴۳ ۶۱۔ تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۴۳

۶۲۔ The Lessons of History, P-100

۶۳۔ تاریخ کا سبق، ص ۱۲۶ ۶۴۔ تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۱۳۲

۶۵۔ The Lessons of History, P-32 ۶۶۔ تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۳۷

۶۷۔ The Lessons of History, P-32

۶۸۔ تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۳۷

۶۹۔ The Lessons of History, P-99

۷۰۔ تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۱۳۱

۷۱۔ The Lessons of History, P-99

۷۲۔ تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۱۲۰ ۷۳۔ ایضاً، ص ۹

۷۴۔ تاریخ کا سبق، ص ۷ ۷۵۔ ایضاً، ص ۹

۷۶۔ ایضاً، ص ۱۹ ۷۷۔ ایضاً، ص ۳۱

۷۸۔ ایضاً، ص ۳۳ ۷۹۔ ایضاً، ص ۳۵

۸۰۔ ایضاً، ص ۳۸ ۸۱۔ ایضاً، ص ۳۸

۸۲۔ ایضاً، ص ۳۸ ۸۳۔ ایضاً، ص ۳۸

۸۴۔ ایضاً، ص ۳۹ ۸۵۔ ایضاً، ص ۳۹

۸۶۔ ایضاً، ص ۵۷ ۸۷۔ ایضاً، ص ۵۲

۸۸۔ ایضاً، ص ۱۶۰ ۸۹۔ ایضاً، ص ۲۰۵

۹۰۔ ایضاً، ص ۲۰۶ ۹۱۔ ایضاً، ص ۱۷۱

۹۲۔ ایضاً، ص ۷۲ ۹۳۔ ایضاً، ص ۷۳

۹۴۔ ایضاً، ص ۱۵۸ ۹۵۔ ایضاً، ص ۱۵۳

التفسیر: مجلس تفسیر، کراچی جلد:۲، شمارہ:۲۰، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۲ء

مسلم عیسائی تعلقات کا تحقیقی جائزہ

(خصوصاً پاکستان کے تناظر میں)

حافظ عقیل احمد، اسسٹنٹ پروفیسر
گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج خانیوال

ABSTRACT:

The history of the world is the evidence of phenomenon that Islam attained remarkable popularity at international level. The chiefest reason of that popularity was the attitude that the Muslims maintained with the people of other religions on the basis of equality. Islam is a complete code of life. In order to practice this particular code of life, the establishment of free, sovereign and powerful state is integral. In modern era, Pakistan was achieved to materialize the very state. From the inception of independence, the people of Pakistan have been rendering exemplary attitude with the people of other religions in general and with The Christians in particular. It is because Christianity is closer to Islam in respect of beliefs and chronological perspectives as compared to other religions. Many valid examples have been quoted in preceding pages to justify the hypothesis of this article. This research article highlights different aspects of Islam which envisage sacred

and practicable teachings and these appear as evidence, that in different periods of history, Pakistan has been an abode where the Christians always lived with the Muslims in harmony and pace.

اسلام ایک عالمگیر دین ہے اور اس قدر وسعت کا حامل ہے کہ رنگ، نسل، زبان اور علاقہ کی بنیاد پر انسانوں میں تفریق نہیں کرتا اس لئے اسلام بحیثیت انسان مسلمانوں اور غیر مسلموں میں کسی قسم کا فرق روا نہیں رکھتا اور نہ ہی کسی قسم کی نفرت اور تعصب کا اظہار کرتا ہے۔ مگر عقیدے کی بنیاد پر ایک مسلمان کسی منکر اور مشرک و کافر سے جدا ہو جاتا ہے اور بنی نوع انسان دو الگ الگ گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں یعنی ملت اسلامیہ اور ملت کفر لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسان ایک معاشرے کا فرد بھی ہے اور اس کی معاشرت و معاملات کا انداز ایسا ہے کہ کاروبارِ زندگی اور معاملات میں قطع تعلق کرنا ناممکن ہے۔

تاریخ اسلام اس بات پر شاہد ہے کہ اسلام کو جو عالمی سطح پر مقبولیت عام کا شرف حاصل ہوا اس کی سب سے بڑی وجہ مسلمانوں کا غیر مسلم مذاہب سے مساویانہ حسن سلوک تھا اسلامی حکومت کے قوانین میں غیر مسلم رعایا کو اہل ذمہ کے معزز خطاب سے نوازا جاتا ہے جس کے معنی ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ہر قسم کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر ہے۔ مذاہب عالم کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دیگر الہامی و غیر الہامی مذاہب کے برعکس درج ذیل وجوہات کی بنا پر عیسائیت نسبتاً اسلام کے زیادہ قریب ہے۔

(1) حضرت عیسیٰؑ کے بعد حضور ﷺ کی بعثت ہوئی گویا حضور ﷺ کی بعثت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت عین الہامی اور اسلامی تھی۔

(2) آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ شام کے سفر پر گئے جب آپ ﷺ بصرہ شہر کے قریب پہنچے تو وہاں ایک نصرانی راہب تھا جس کا نام جرجیس تھا اور بحیرہ راہب کے نام سے مشہور تھا اور نبی آخر الزمان کی جو علامتیں آسمانی کتابوں میں مذکور تھیں ان سے واقف اور باخبر تھا اس لئے اس نے حضور ﷺ پُرنور کی صورت دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں کہ جن کی کتب سابقہ میں خبر دی گئی ہے۔(1)

(3) پہلی وحی کے موقع پر جب آپ ﷺ غار حرا میں فرشتے سے پہلی ملاقات کے بعد غیر معمولی حالت میں گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی دی پھر وہ آپ ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں وہ زمانہ جاہلیت میں حقیقی دین مسیح علیہ السلام کے پیروکار تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا'' بھائی جان ذرا اپنے بھتیجے کا قصہ سنئے'' ورقہ نے حضور ﷺ سے کہا'' بھتیجے تم نے کیا دیکھا آپ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان کیا ورقہ نے کہا یہ وہی ناموس (وحی لانے والا فرشتہ) ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا کاش میں آپؐ کے زمانہ نبوت میں قوی ہوتا۔ کاش میں اس وقت زندہ رہوں جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو نکالے گی۔''

آپ ﷺ نے فرمایا'' کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے'' ورقہ نے کہا'' ہاں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا ہو جو آپ ﷺ لائے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں نے آپ ﷺ کا وہ زمانہ پایا تو میں آپ ﷺ کی پُرزور مدد کروں گا مگر زیادہ مدت نہ گزری کے ورقہ کا انتقال ہو گیا۔(2)

گویا کہ آپ ﷺ کے نبی ہونے کی تصدیق بھی سب سے پہلے ایک حقیقی پیروِ مسیح ہی نے کی۔

(4) آنحضور ﷺ کے دل میں عیسائیت اور عیسائیوں کے بارے میں سب سے زیادہ جذبات ہمدردی موجود تھے۔

ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ سات سال کے تھے کہ آپ ﷺ کی آنکھوں میں کوئی تکلیف پیدا ہوئی اس وقت مکہ طب کا مرکز تھا لیکن اس کے باوجود مکہ کی طبی امداد آپ ﷺ کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی۔ آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب آپ ﷺ کو ایک عیسائی راہب کے پاس لے گئے جو عکاظ کے قریب ایک خانقاہ میں رہتا تھا اس عیسائی ڈاکٹر کے علاج سے آپ ﷺ کو صحت ہو گئی۔(3)

(5) حضور ﷺ کی مکی زندگی کے دوران ایران اور روم کی جنگ میں مسلمانوں کی ہمدردی دلی طور پر عیسائیوں کے ساتھ تھی جس کی طرف واضح اشارہ سورۃ روم میں موجود ہے۔

غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین للہ الامر من قبل ومن بعد ویومئذ یفرح المؤمنونo(4)

''رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں اور اپنی اس مغلوبیت کے چند سال کے اندر وہ غالب ہو جائیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی بعد میں بھی اور وہ دن وہ ہو گا جبکہ اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے۔''

(6) مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے دو مرتبہ عیسائی سلطنت میں ہجرت کی جب مکہ میں حالات ناقابل برداشت ہو گئے تو آپ ﷺ نے مظلوم صحابہؓ کو مشورہ دیا کہ وہ ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں اور فرمایا حبشہ چلے جاؤ اس ملک میں ایک ایسا بادشاہ حکمران ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا یہ سچائی کی سرزمین ہے وہاں اس وقت تک رہو جب تک خدا تمہارے لئے اس عذاب سے بچنے کی کوئی صورت پیدا کرے جس میں تم مبتلا ہو۔(5)

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے حبشہ سے متعلق یہ پالیسی متعین فرما دی تھی۔ دعو الحبشہ ما دعو کمo دوسری روایت کے الفاظ ہیں اترکو الحبشہ ماترکو کم یعنی حبشہ کے لوگ جب تک تمہیں چھوڑے رکھیں تم بھی انہیں چھوڑے رکھو۔

(6)

(7) آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ سے فارغ ہونے کے بعد جو خطوط اطراف و نواح کے بادشاہوں کو بھیجے آپ ﷺ کے ان خطوط کا قیصر اور شاہ مقوقس نے بڑا احترام کیا جبکہ مجوسی مشرکوں نے آپ ﷺ کا نامہ مبارک چاک کر دیا۔

(8) حضور ﷺ کے زمانے میں اگرچہ موتہ اور تبوک کے مقامات پر مسلم اور عیسائی فوجوں کا آمنا سامنا رہا لیکن جس قدر